

جائے پھیلنے
اور

۱۱

مختصر

۱۱

نہیں

۱۱

۱۱

مصنّفی

انور صابری

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ناشر

صابری بک ڈپو۔ دیوبند

یونین پریسنگ پریس۔ دہلی

۱۰۰۰

نمبر صابری مینبر صابری بک ڈپو۔ دیوبند

مطبوعہ

تعداد

زیر اہتمام

پانچ روپے

قیمت مجلد

دہلی میں ملنے کا پتہ

صابری بک ڈپو۔ گلی سترخ پوشان۔ چوڑی الان

دہلی

خدا کے فضل و کرم کا ہمارا لے کر
اُس مجاہدِ جلیل کے نام معنون کرتا ہوں
لبیثت و خلوص جس کی قنطرت ہے
دین و عمل جس کا شعار ہے
کتابِ حیات جس کے ذکر پر نمازاں ہے
شعور و دانش جس کے لئے عطیہ قدرت ہے
محبت - انسانیت اور خدمت جیسے عزیز ہیں
یادِ ماضی جس کے حال کی بلندی کا عنوان ہے
روحِ ایثار جس کا سرمایہ کار ہے

انور صابری



ترتیب

۳۳	۱۰	خورشید علی خاں اظہر	۹	۱	پیش لفظ
۳۴	۱۱	الفت امین آبادی	۱۱	۲	پہلیاں
۳۵	۱۲	اقدس حیدر آبادی	۲۵	۳	حافظ محمد ابراہیم
۳۶	۱۳	دیوان مہتر اداس اموجہ	۲۷	۴	ڈاکٹر سمپور ناتھ
۳۷	۱۴	مرزا چنگیزی اختر	۲۸	۵	محمد مصطفیٰ علی
۳۸	۱۵	سید سعید مرتضیٰ اختر	۲۹	۶	عبد اللہ آرزو
۳۹	۱۶	عبدالباری امین	۳۰	۷	آئین دہلوی
۴۰	۱۷	امین گیلانی	۳۱	۸	آفتاب جامی
۴۱	۱۸	لاکھن سنگھ آزاد	۳۲	۹	اشک لکھنوی

۶۸	۴۰	امین شیرازی	۴۲	۱۹	عبد الرشید آذر
۶۹	۴۱	عابد علی جعفر بجائی برہم	۴۳	۲۰	ذکین امرتسری
۷۰	۴۲	امیر دھامپورہ	۴۴	۲۱	عبادت علی خاں اختر
۷۱	۴۳	بہار الہ آبادی	۴۵	۲۲	محمد علی خاں اختر
۷۲	۴۴	رام پشاد سبیل	۴۶	۲۳	سیر محمد علی امدی
۷۳	۴۵	بدنام جالندھری	۴۷	۲۴	انگل جلال آبادی
۷۴	۴۶	بسطر سمانی	۴۸	۲۵	فضل حق آزاد
۷۵	۴۷	برق گنگوہی	۴۹	۲۶	آفاق بناری
۷۶	۴۸	باقر مرزا	۵۰	۲۷	آفتاب کلیم اردہوی
۷۸	۴۹	سلیمان عبداللہ بانی	۵۱	۲۸	ابرار منظر نگری
۷۹	۵۰	برق فیروز پوری	۵۳	۲۹	یونس خالدی اختر
۸۰	۵۱	لائق علی نصیر	۵۵	۳۰	احسن اندوری
۸۱	۵۲	باسم مراد آبادی	۵۷	۳۱	انجم عاشقی
۸۲	۵۳	برجوبین سھانبیری	۵۸	۳۲	مولانا عبد الواحد آباد
۸۳	۵۴	محمد انبال بانی	۵۹	۳۳	اسد درانی
۸۵	۵۵	کیفی چند لال	۶۰	۳۴	سید آل عبا قادری ادارہ
۸۶	۵۶	داؤد دیال پرتاپ	۶۳	۳۵	سدھارام ایم
۸۷	۵۷	فہیم الدین تائبش	۶۴	۳۶	اکملی لٹانی
۸۸	۵۸	برج بہاری تریپ	۶۵	۳۷	اکبر رضوانی
۸۹	۵۹	تاجور بگرام پوری	۶۶	۳۸	اظہر قاضی
۹۰	۶۰	تو قیر رام نگری	۶۷	۳۹	اظہر خورشید

۱۱۳	۸۲ - مساجد بلوچی	۹۱	تصویر اورنگ آبادی	۶۱
۱۱۳	۸۳ - سرمد میرٹھی	۹۲	تروت رضوی	۶۲
۱۱۶	۸۴ - مبارک سائغر	۹۳	تائیر کاشمیری	۶۳
۱۱۷	۸۵ - خورشید عالم شمیمی	۹۵	تقی براملن پوری	۶۴
۱۱۸	۸۶ - شوکت میرٹھی	۹۶	اجیت پرشار جین	۶۵
۱۱۹	۸۷ - عطا محمد خاں شعلہ	۹۷	جمال سبھارتی	۶۶
۱۲۰	۸۸ - محمد اسماعیل شاد	۹۸	رامیشور داس جین	۶۷
۱۲۱	۸۹ - شمس بلوچی	۹۹	چاند زائن چاند	۶۸
۱۲۲	۹۰ - شاکر قادری	۱۰۰	حسنت اکبر آبادی	۶۹
۱۲۳	۹۱ - شمس لکھنوی	۱۰۱	حامد لاہر پوری	۷۰
۱۲۴	۹۲ - رام لال شرما	۱۰۲	جگن ناتھ خوشتر	۷۱
۱۲۵	۹۳ - ٹھاکر پرشار شادان	۱۰۳	ڈاکٹر ذاکر حسین	۷۲
۱۲۶	۹۴ - حفیظ علی شارق	۱۰۴	راہی معصوم رضا	۷۳
۱۲۷	۹۵ - امانت سنگھ شریف	۱۰۵	گلشن رائے رعنا	۷۴
۱۲۸	۹۶ - پنڈت سری شنکر	۱۰۶	رازا نصاری	۷۵
۱۲۹	۹۷ - ادے سنگھ شائق	۱۰۷	سر خوش تزیل باش	۷۶
۱۳۰	۹۸ - شارب گجراتی	۱۰۸	مہاجر صدیقی	۷۷
۱۳۱	۹۹ - احمد علی خاں شجاع	۱۰۹	سلیم کھنولوی	۷۸
۱۳۲	۱۰۰ - شجاعت علی	۱۱۰	میر عبد اللہ سانی	۷۹
۱۳۳	۱۰۱ - شہید آردی	۱۱۱	ٹیکارام مہن	۸۰
۱۳۴	۱۰۲ - قیصر نجیب آبادی	۱۱۲	احمد مجددی سہا	۸۱

۱۵۷	۱۲۲	عجم سرہندی	۱۳۵	۱۰۳	صدر نام پوری
۱۵۸	۱۲۵	غریب جون پوری	۱۳۶	۱۰۴	صابر غازی آبادی
۱۵۹	۱۲۶	مظفر محمد غازی	۱۳۷	۱۰۵	عبدالوہاب صادق
۱۶۰	۱۲۷	غالب عمرانی	۱۳۸	۱۰۶	عتمد شاہ آبادی
۱۶۱	۱۲۸	شوراج بہادر غزنی	۱۳۹	۱۰۷	کشن دت طوفان
۱۶۲	۱۲۹	ہمیر الال فلک	۱۴۰	۱۰۸	خان محبوب طرزی
۱۶۳	۱۳۰	فضل خیر آبادی	۱۴۱	۱۰۹	عنایت اللہ خان طرزی
۱۶۴	۱۳۱	حمید حسن نگر	۱۴۲	۱۱۰	اسمعیل مسیح طلب
۱۶۵	۱۳۲	فارغ اجیری	۱۴۳	۱۱۱	تغییر دھامپوری
۱۶۶	۱۳۳	مخزگیادی	۱۴۴	۱۱۲	عنوان ہشتی
۱۶۷	۱۳۴	فارغ ناگپوری	۱۴۵	۱۱۳	عبدالرحیم عاجز
۱۶۸	۱۳۵	قناؤنکی	۱۴۶	۱۱۴	سبط پیمبر عالم
۱۶۹	۱۳۶	فضیح اللہ خان اعظمی	۱۴۷	۱۱۵	عصری کاکوڑی
۱۷۰	۱۳۷	قریشید	۱۴۸	۱۱۶	عرفان بھوپالی
۱۷۱	۱۳۸	قبصر بھوپالی	۱۴۹	۱۱۷	کرشن کمار عادل
۱۷۲	۱۳۹	قافی خورشیدی	۱۵۰	۱۱۸	عزیز مینائی
۱۷۳	۱۴۰	شائق عبدالباسط	۱۵۱	۱۱۹	عاقل گلادھٹی
۱۷۴	۱۴۱	پیر گورداسپوری	۱۵۲	۱۲۰	خان غازی کابی
۱۷۵	۱۴۲	قمر واحدی	۱۵۳	۱۲۱	شرف الحق غازی
۱۷۶	۱۴۳	میاں قدوس قریش	۱۵۴	۱۲۲	غریب سنبھلی
۱۷۷	۱۴۴	جگدیش بھارتی	۱۵۵	۱۲۳	غفلت رام پوری

۲۰۰	منور مراد آبادی	۱۶۶	۱۷۸	محمد ذکی کینی	۱۴۵
۲۰۱	احسن اللہ خاں منظور	۱۶۷	۱۷۹	کینی ایوبی چچ پوری	۱۴۶
۲۰۲	مخدوم ملک	۱۶۸	۱۸۰	کینی بریلوی	۱۴۷
۲۰۳	مطرب لکھنوی	۱۶۹	۱۸۱	گوہر دہلوی	۱۴۸
۲۰۶	ردشن آرا نسیم	۱۷۰	۱۸۲	عزیز ہنثوری	۱۴۹
۲۰۷	نسیم تنکاری	۱۷۱	۱۸۳	ابوالاحد نور گرامی	۱۵۰
۲۰۸	نجم الحسنین	۱۷۲	۱۸۴	فیاض الدین گل	۱۵۱
۲۰۹	ناظم نگینوی	۱۷۳	۱۸۵	مومن لال گوتم	۱۵۲
۲۱۰	نظر علی	۱۷۴	۱۸۶	نکنت آقادی	۱۵۳
۲۱۱	سیدالشفات علی نیر	۱۷۵	۱۸۷	ہمایرتباگی	۱۵۴
۲۱۲	نازش بدایونی	۱۷۶	۱۸۸	گورنگہ شکستہ سافر	۱۵۵
۲۱۳	محمد عادل ناز	۱۷۷	۱۸۹	منیث الدین فریدی	۱۵۶
۲۱۴	نور میرٹھی	۱۷۸	۱۹۰	منظر مارہروی	۱۵۷
۲۱۵	آثار ام نیر	۱۷۹	۱۹۱	بہاری لال بونس	۱۵۸
۲۱۶	دکین بھوپالی	۱۸۰	۱۹۲	ولی التدمیر	۱۵۹
۲۱۷	حبیب حسن وحشی	۱۸۱	۱۹۳	ملک زادہ منظور احمد	۱۶۰
۲۱۸	دجیدی الحسینی	۱۸۲	۱۹۴	محضر لکھنوی	۱۶۱
۲۲۰	داصل شہید اقبالوی	۱۸۳	۱۹۵	محمود آقادی	۱۶۲
۲۲۱	نصیر احمد خاں	۱۸۴	۱۹۶	مسلم انصاری	۱۶۳
۲۲۲	عاقیل دہلوی	۱۸۵	۱۹۷	مصر پرجاگر	۱۶۴
۲۲۳	مختار الرحمن راہی	۱۸۶	۱۹۸	سعود اختر حیات	۱۶۵
۲۲۴	نسیم فاروقی	۱۸۷	۱۹۹		

خاکسارانِ جہاں را بختقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں خاک سولے باشد

مولانا انور صابری ! بھی آپ نے کمال کر دیا ! جنہیں
کوئی پوچھتا نہیں ، کوئی یاد نہیں کرتا ، کوئی جانتا نہیں ،
آپ نے ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھا ! یہ کام تو دراصل
کسی کیونسلٹ کو کرنا چاہئے تھا کہ ہم ان کو جنہیں زمانے
نے بھلا دیا ہے۔ محفلِ حیات کا صدر نشین بنانا چاہئے
ہیں اور کہتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بختقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں خاک سولے باشد

لیکن بات یہ ہے کہ آپ کی قسم کے بڑے جملے لوگ (یعنی مولوی، مجاہد وطن، رند، شاعر) بڑے دلچسپ کام کر گزرتے ہیں، آزادی حاصل کرنے کے لئے سروھٹ کی بازی لگا دیتے ہیں اور دلوں کو گرمانے کے لئے شعر و نغمہ کو گلے لگاتے ہیں، غرض ہر گھڑی ایسے اکیسیر کی جستجو کرتے ہیں جس کا پانا مشکل تو ضرور ہے مگر جس کی کاوش ہی روح افزا ہے۔ اب آپ نے یہ جو کوہ کنڈنی کی ہے، ہمیں سب سے زیادہ اس کی ادا پسند ہے۔ اور ہمارے دل کی گویا یہ بات ہے۔ اللہ کرے آپ اپنی زندگی میں اور بہت سے ایسے نایاب اور نادر کام کریں تاکہ رندان باصفا کی محفل میں نت نئے شگوفے جھوٹتے رہیں، اور ہم ایسے تماشا خانے اور آپ کے پرانے چاہنے والے اور قیدِ فرنگ کے رفیق بار بار کہیں ”بھئی یہ مولوی تو غضب کا مولوی ہے، پھر بازی لے گیا!“

سجاد ظہیر

تم نے ان کی زندگی کو روشن کیا
خدا تمہارے دل کو روشن کرے

ابوالکلام

۱۶ فروری ۲۰۰۸

مولانا انور صابری صاحب نے اس کتاب کو لکھ کر

ایسے حضرات سے روشناس کرا دیا کہ جنہیں زمانے نے

بھلا دیا تھا۔ میں نے تھوڑا سا حصہ سنا۔ مولانا نے اپنے

خاص طرز میں اسے لکھا ہے اور نثر میں نظم کا لطف

آجاتا ہے۔

(مولانا) احمد سعید

۲۹ جنوری۔ ۶۵۸

غیر معروف، زندہ اور مُردہ ایسے شعرا کا جو حقیقتاً اپنا
ایک خاص مقام و اثر رکھتے تھے یا رکھتے ہیں تذکرہ تحریر فرما کر
علامہ انور صابری نے علمی و ادبی دنیا پر بہت بڑا احسان
کیا ہے۔ جزاکم اللہ میں شدید طور پر علیل ہوں، ورنہ بہت
کچھ لکھتا۔

بکر (مراد آبادی)

۱۲ فروری ۱۹۵۸ء

بہت دنوں سے ہمارا لٹریچر ایک ایسے تذکرہ کا محتاج تھا جس میں
گننام ادیبوں، شاعروں اور سیاسی خدمت گاروں پر روشنی ڈالی جائے
جن کا مقام اپنے کمال کے لحاظ سے بلند نہ ہو سکا۔ ہندوستان کے مشہور و محبوب
دہن اور پرانے ایشیا پیشیہ شاعر انقلاب جناب مولوی انور صابری نے اس
کمی کو اپنے مخصوص انداز بیان اور اعجاز کلام کو ملحوظ رکھ کر پورا کر دیا
ان کی کتاب

وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا

اس دور کا بہترین ادبی شاہکار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بچوں کی
ادبی صلاحیت کو بڑھانے کیلئے تعلیمی اداروں میں بھی مقبول ہوگی اور
عوام بھی اسے پسند کریں گے۔

(حافظ) محمد ابراہیم
۲۱ جنوری ۱۹۵۸ء

آدمی کے ذہن کی تخلیقات بسا اوقات خود اس کے
زیادہ زندہ رہتی ہیں۔ شعر کا بھی یہی حال ہے۔ شاعر کو لوگ
بھول جاتے ہیں اور شعر بہتوں کو یاد رہتے ہیں اور دلوں
کو سرور بھی بخشتے ہیں، روشنی بھی۔ حضرت صابری نے ان
شعروں کے ہمارے جو یاد ہیں ان شاعروں کی یاد دلائی ہے
”جھین کوئی نہیں جانتا“ خوب کار ہے اور صابری
صاحب نے اسے خوب انجام دیا ہے۔ مبارک ہو!

ذاکر حسین

۲۳ فروری ۱۹۵۸ء

اور صابری صاحب کے دماغ کی جدت نئی چیزوں
کی تلاش میں رہتی ہے۔ ” وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا“
ایک اچھوتا عنوان ہی نہیں دلچسپ اور انسان دوستی
سے تعلق کا مضمون ہے۔ اس میں ان لوگوں کا ذکر بھی ہے
جنہیں کم لوگ جانتے ہیں اور شاہیر کی زندگی کے
وہ پہلو بھی ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔
اور صاحب نے بڑی تحقیق اور کاوش سے ٹھوس اور
صحیح معلومات حاصل کی ہیں۔ میں انہیں اس سعی مشکور
پر مبارکباد دیتا ہوں۔

(کرنل) بشیر حسین زیدی

۲۹ جنوری ۱۹۵۸ء

ابھی میں کتاب کو تو نہیں دیکھ سکا مگر اس کا نام
بے حد پسند آیا۔ ملک کبھی ان غریبوں کو بھی یاد کے
اس کے لئے جو کوشش کی جائے۔ وہ قابل تحسین ہے میں
نے جو ٹھوڑا سا حصہ سنا وہ بہت ہی عمدہ ہے
اس کتاب کے مؤلف ہمارے شکریہ کے حقدا ر
ہیں۔

سمپورناتند

۲۲ جنوری ۱۹۵۷ء

مولانا انور صابری ہمارے ملک کے مشہور قومی شاعر

ہیں اور ہمیشہ دیش کیلئے سیوا کا کام کرتے رہے ہیں۔

انہوں نے ”وہ جنھیں کوئی نہیں جانتا“ لکھ کر دیش کے

قومی اور لٹریچر کا زکو بہت فائدہ پہنچایا۔ یہ کتاب

اس زمانے کی نئی اور عمدہ کتاب ہے۔

اجیت پرشاد حسین

انور صابری صاحب بھارت ورث کے کرائتی کے
شاعر ہیں۔ زندگی وطن کی خدمت میں بسر کی ہے
انہوں نے یہ کتاب جس کا نام
”وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا“
لکھ کر نئے ادب میں پڑانی زندگیوں کا سچا خاکہ
تیار کر دیا۔ میرا یقین ہے کہ یہ کتاب ملک میں مقبول ہی
ہیں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ اور علی حلقے اسے
بہت پسند کریں گے۔

موہن لال گوتم

۲۰ جنوری ۱۹۵۸ء

غم ہے عطاءے دوست، بصد شکر کر قبول
جس سے ملے، جہاں سے ملے، بقدر ملے

روش صدیقی

۲۹ جنوری ۱۹۵۸ء

مولانا انور صابری کے متعلق شبہ تو پہلے سے تھا کہ یہ
حضرت واسکو ڈیگاما اور سندباد جہازی کے امتزاج نظر
آتے ہیں مگر وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا کی سرسری سی
ورق گردانی کرنے کے بعد یہ شبہ یقین بن گیا ہے کہ یہ ریاستیں
ان ہی کا ایسا جہاں گشت کر سکتا تھا۔ کیا کیا نمونے
ہیں تحقیق و تفتیش کے میری رائے ہے کہ انور صابری صاحب
طبقات الارض ادب کی یہ چھان بین جاری رکھیں اور
یہ خزانے برآمد کرتے رہیں

شوکت تھانوی

کراچی ۷ مارچ ۶۵۹

میری مثنوی

شعورِ ادب کے اس ارتقا یا فتنہ دور میں اکثر و بیشتر اربابِ برہنہ اُن تذکرہ نگاروں کے تغافل کا شکار ہو گئے جو اپنے مخصوص حلقوں سے باہر دائرہ تحقیق و جستجو کو وسیع کرنے کے عادی نہیں۔

؟ امام الہند حضرت مولانا آزاد علیہ الرحمۃ نے بعض ایسے شعراء کا بصیرت افروز ذکر فرمایا جن کا حوالہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ مولانا میر کی سیاسی اور مذہبی پیشوا ہی نہ تھے ادبی طور پر بھی میں اُن کے خوانِ علم کی خوشہ چینی کرتا رہا ہوں۔ انہوں نے میری اصداوح فکر و خیال کے علاوہ لسانی محتمدی پر بھی تاجیبات توجہ دی۔ انہیں کی نواز شہنشاہ کا فیض ہے کہ زیرِ نظر کتاب کی ترتیب و تدوین کا فرض ادا کرنے میں حتیٰ الوسع کوتاہیوں سے بچ کر چلنے کی عادت کا رزمہ رہی۔ یہ مجموعہ ادب سرشت کوئی مکمل یا جامع حیثیت نہیں رکھتا۔ روزانہ نئے نئے اساتذہ اور گننام شعرا کا حال کسی نہ کسی گوشہ

سے حامل ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے میری کوشش ہے کہ خواہ وہ مجھیں کوئی نہیں جانتا، کے کئی حصے شائع کرتے پڑیں۔ میرا سلسلہ تلاش برابر جاری رہے گا۔

اس اہم خدمت کیلئے مجھے دو دروازے سفر بھی کرنے پڑے۔ صد ہا لوگوں سے ملاقاتوں کے مواقع ملے۔ اور قدیم و جدید دور کے کئی سو فنکاروں کی تخلیقات اور سوانح حیات جمع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ جب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے تو کافی تعداد ایسے بزرگوں کی ملے گی جو ملک کے عظیم رہنما کے نام پر مشہور ہیں۔ لیکن آج تک کسی کو یہ علم نہ تھا کہ وہ کامیاب شاعر بھی ہیں۔ پڑانے رسائل و اخبارات کے متعدد فائلوں سے نکالیں آشنا ہوئیں۔ ہفتہ وار قطب دہلی۔ نیرنگ خیال دہلی۔ زمانہ کاپنور اور امن نو لکھنؤ نے میری معلومات میں بے انتہا اضافہ کیا۔

صاف جہان تک اجازت دیتی گئی۔ وہیں تک مختصر احوال۔ مناسب تنقید اور ذمہ دارانہ انتخاب سے کام لیا گیا۔ براہِ رسم احسان دانش۔ محترم ادیب سہارن پوری۔ مولانا ماہر القادری۔ حضرت جوش طبع آبادی۔ پنڈت ہری چنداٹر آنجنانی۔ مولانا خیر بھوڑی جناب نذر باری نے بھی مفید معلومات سے بہرہ مند فرمایا۔ ان حضرات کے اس احسان کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

عزمِ راسخ کے باوجود مواقع بھی مسافر تحقیق کی راہ میں ضرور پیش آتے ہیں۔ قدم قدم پر حوصلہ شکنی بھی ہوتی ہے۔ لیکن استقامتِ نسبت اور سایہِ درمانِ اکابر کی بدولت میں نے رقم سفر میں تبدیلی نہیں کی۔ جس انداز سے سفر شروع کیا تھا ابھی تک اس میں فرق نہیں آیا۔ اور نہ انشاء اللہ اس کی توقع ہے۔

محترم لالہ پودھراج - ثری وی شکر آئی۔ سی۔ ایس آنریبل
بختی غلام محمد آنریبل سردار سرجیت سنگھ مجیٹھ کا ممنون ہوں۔ جو
آئے دن میری ہمت فرماتے رہے ہیں۔
جلد اول۔ آپ کے سامنے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دو تین ماہ
میں دوسری جلد اضافوں کے بعد آپ ملاحظہ فرما سکیں گے۔

المورصابری

نبض دوراں

صابری صاحب کی کیفن اور اور وجد آفسری
غزلوں کا مجموعہ بھی چھپ کر آ گیا ہے۔
قیمت ۳/۸ اس کے علاوہ ہر قسم کی مذہبی سیاسی
ادبی کتب معقول کمیشن پر حاصل کیجئے۔

۱۔ صابری بکڈپو۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور

ابراہیم - (حافظ محمد)

گنگا کے پُر عظمت دامن میں جہاں ہری دوار ہیما تیرتے ہیں وہ ضلع بھی ہے۔ جسے جزا قبہ میں بجنور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی ٹلی ایک تحصیل نگینہ میں حافظ محمد ابراہیم صاحب کی دیرینہ قیام گاہ ہے۔

ابتدائی تعلیم نگینہ میں ہوئی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے گریجویٹ ہوئے۔ اور وکالت پاس کر کے عوام کی قانونی خدمت کرنے لگے۔ سیاسی چسکا پہلے ہی سے کھٹا بڑھتے بڑھتے میدانِ عمل تک لے گیا۔ کلفت و کلام کی طبیعت عادی تھی۔ امیرانہ ٹھاٹ کبھی جردِ حیات نہ ہو سکے۔ اس لئے قید و بند کی دشواریاں طبعاً آسانیوں میں تبدیل کر لیں۔ ان سے پہلی ملاقات کے بعد آپ کو ایک کھوئے کھوئے انسان کا شبہ ہونے لگے گا۔ عوام سے قریب تر رہ کر ان کا دماغ ہر وقت ایسے مسائل سوچتا رہتا ہے۔ جن سے ہر دکھی آدمی کو درد پہنچانے میں مدد مل سکے۔

آغازِ شعور سے اب تک ان کا یہی عالم ہے۔ انسانیت انھیں عزیز ہے۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے ہی معیار تک پہنچانے کی آرزو کا وہ گہوارہ بنے ہوئے کچھ نہ کچھ سوچنے رہتے ہیں۔

کرسی کے عارضی اعزاز نے مزاج میں "انانیت" کا جذبہ نہیں ابھرنے دیا۔ بڑے بے تکلف ہیں۔

وزارتی امور کو اپنی بصیرت کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ ادرحق و انصاف کا راستہ کبھی نہیں چھوڑتے۔ کارِ خدمت میں دوست اور دشمن کی تمیز انہوں نے سیکھی ہی نہیں۔

اگر کوئی کام نہ کر سکیں گے تو نہایت صفائی کے ساتھ انکار کر دیں گے۔
 رات کو بجے تک مجلس گرم رہتی ہے۔ ۱۲ بجے کے بعد فائل دیکھتے ہیں۔ اور
 دو بجے تک دن بھر کا کام ختم کر کے لیٹتے ہیں۔ ۳ بجے تک مطالعہ جاری رہتا ہے۔ عمدہ
 کتاب نہ ہو تو خرید نہیں آسکتی۔ یہ ان کے داخلی خزن نظر کی علامت ہے۔ جو کتاب پسند آتی ہے
 اُس پر حاشیہ بھی چڑھا دیتے ہیں۔ اور اپنی بے لاگ رائے ظاہر کرنے میں بخل سے کام نہیں
 لیتے۔

شاعروں کی کبھی معذرت کرتے ہیں تو ہر شاعر کے اچھے شعرا نہیں یاد ہوتے
 ہیں۔ کبھی کبھی شعر کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

اِس کو دیوانگی سے کیا نسبت
 زلفِ جاناں کا جو اسیر نہیں
 کاش کبھی یہ راز اہلِ خسرو
 مصلحتِ عشق کا فہمیر نہیں

آنند (ڈاکٹر سمپورناتند)

آزادی وطن کے آزمودہ کار جنرل - علمی دنیا کے بہترین گراںمایہ انسان - ہر اعتبار سے مشہور و معروف - لیکن اب تک یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ اردو کے شاعر بھی ہیں۔ مجھے اب سے برسوں پہلے بنارس میں ان کے شاعرانہ ذوق کا علم ہو چکا تھا۔ وہ تدبیر - دانش و فہم اخلاق و عمل کے لحاظ سے ممتاز خصوصیات کے مالک ہیں۔ انگریزی اور ہندی ادب پر ان کا مطالعہ بہت گہرا ہے۔ اردو کا مذاق سخن بچپن سے جوانی کی جانب تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ وہ بچے ہندی دوست ہیں۔ لیکن اردو دشمن نہیں۔

ہندی کو ہندوستان کی اہم قومی زبان اور علی زبان سمجھتے ہیں۔ اردو ان کے نزدیک ہندوستان کی سانحہ پرداخت اور آباد و شادابک زبان ہے۔ جسے ماحول کی نلکار اور خود اردو پرستوں کی غلط اظہار حمایت کی بدولت وہ ابھی تک اس کا حقیقی مقام نہیں دلا سکے۔ مگر زمانہ کے الٹ پھیر سے آشنا نظریں مستقبل کے خدو و خال کا انتظار کر رہی ہیں۔ جن میں اردو کا چہرہ نمایاں طور پر دکھائی دے گا۔

نمونہ کلام

وطن سے پیار اگر زندگی نہیں آنند
تو زندگی کو بھی تو میں زندگی سمجھو

دلش سیوا کے لئے جینا مراد آرزو
رات دن اٹھتی ہوئی ہے فکر سے یہ آرزو

عشق میرا دہرم ہے اور پیار میری زندگی
ڈھونڈتا ہوں اپنی منزل کیلئے کچھ ہنفر

آصف - محمد آصف علی بیسٹری

جنگ آزادی کے نامودہ کار سپاہی - کارواں سالار اور وقت کی ہر ایشیا طلب
آواز پر مردانہ دار لیبیک کہنے والے مجاہد تھے - دلی آبائی وطن تھا - یہاں کی ٹھکانی
زبان اُن کی گفتگو اور تقریر سے زندہ رہی -

وائسرائے سے لیکر گورنر تک وطن کی خدمت کرتے رہے - انسانوں کے درمیان مذہبی
امتیاز و تفریق کو ہمیشہ بڑا کہا - دوسروں کی ہمدردی میں پناہ مانگا با بھی لٹا
بیٹھے -

امام الہند مولانا آزاد اپنے برادرِ خورد کی حیثیت سے اُن کو زندگی کے ہر شیب و
فراز کی رہنمائی کے قابل بناتے رہے -

شعر و ادب سے والہانہ وابستگی رہی - سیاست نے جن لوگوں کو اہم ادبی خدمات سے
محروم رکھا آصف بھی انہیں کی صف میں شامل ہیں -

نمونہ کلام

نظر ہے تشنہ نظارہ جمال ہنوز
خیال پر ہے مسلط ترا خیال ہنوز
نصیب آصف غم آشناہ جنگ سکا
حرم خوابیں ہے شاہد وصال ہنوز

آرزو۔ عبداللہ

بساطی محلہ جے پور میں رہتے ہیں، تجارت وسیلہ معاش ہے۔ ادبی شعور جزو مزاج ہے۔ حسن خیال میں رچا ہوا شعر کہتے ہیں۔ آواز کا سوز و نواز کلام کی رنگینیوں کو دلوں میں اتار دیتا ہے۔ اپنے گرد و نواح کے مشاعروں میں کبھی کبھی شریک ہوتے ہیں۔ کاروباری زندگی سے جو وقت بچتا ہے وہ ذخائر علمیہ کی تلاش میں بسر ہوتا ہے۔



نظرِ ناکام ہو کر رہ گئی ہے
 ترا پیغام ہو کر رہ گئی ہے
 محبت حصہ خاصانِ غم تھی۔
 مذاقِ عام ہو کر رہ گئی ہے

امیر دہلوی (امیر الدین)

دلی میں شاہی زمانے کے شرفا کی نشانی ہیں۔ ذہانت ان کی غلام ہے
 دوسروں پر اثر انداز ہونے والا انداز تکلم ان کے سامنے منتظر حکم رہتا ہے۔
 جوانی میں تجربہ بات کا بڑھا پالا نہیں نصیب ہے۔ نئے ادب کے محب صادق
 ہیں۔ مگر شعر رنگ قدیم میں کہتے ہیں۔ نغمہ و کلام دونوں کی داد لیتے ہیں۔

نمونہ کلام

دفا پیشہ ہوں شکوؤں سے مجھے کیا کام ہے ساقی
 مری تشنہ لبی بھی تیرا اک انعام ہے ساقی
 مجھے محروم رکھنے میں بھی کوئی مصلحت ہوگی
 ترافیض نظر تو سب کی خاطر عام ہے ساقی

آفتاب جامعی - آفتاب احمد خاں

مولانا حکیم آفتاب احمد خاں امر دہہ کے باشندے تھے۔ جیلپور ایم پی میں اپنے ماموں کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی۔ کچھ دن جامعہ ملیہ میں بھی انگریزی پڑھتے رہے۔ طب کی تکمیل دہلی میں ہوئی۔

اپنے دور کے کامیاب خطیب۔ بلند پایہ نثر نگار اور ہوتا ہوا شاعر تھے۔ غصہ کی کثرت نے تپ کہنہ کا مریض بنا دیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں ۲۰ سال کی عمر یا کر احباب کو زاہد معارف سے ملے گئے۔ حریت و آزادی کے مجاہد جلیل تھے۔ طبعی سن و سال کو پہنچے تو صدر کتابوں کے مصنف ہوتے۔ امام غزالی کی فلسفیانہ تعلیمات پر دو رسالے لکھے۔ سنا ہے کہ بزم آفتاب امر دہہ ان کی طباعت کا انتظام کر رہی ہے۔

نمونہ کلام

شکوہ زنج وطن لب پہ مرے آنہ سکا
میں کبھی گردشِ ایام سے گھبرانہ سکا

اشک لکھنوی (علی حسن)

اس باکمال شاعر کا پورا نام سید جمال الدین عرف علی حسن ابن میر شمس الدین تھا۔
 ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں لکھنؤ کو اپنی پیدائش کا فخر بخشا۔ ان کے آباؤ اجداد
 ارکاٹ کے نواب مبارز الملک سر بلند خاں کے قریبی رشتہ دار تھے۔ میر عماد مشہور خوشنویس
 کے آپ پوتے تھے۔ ۱۳۱۰ھ میں دوسرا دیوان ان کے ہمزلف میر اکرام علی اہلسر
 کی سعی بلیغ اور انتہائی جانکاہی سے شائع ہوا۔

عربی اور فارسی میں کافی دسترس حاصل تھی۔ زبان اہل ایمان میں مسلم البتوت
 استاد تھے۔ کمال تحقیق کے ساتھ اردو شعراء کا ایک تذکرہ لکھا۔ یوں تو صدمہ کتابیں
 تصنیف فرمائیں۔ جس کا آج کوئی پتہ نہیں۔ امیر، حضرت امیر مینائی کے ایک خط سے جو
 مولانا نعیم الحق آرزو کے نام تھا۔ تذکرہ تالیف کے مسئلہ پر "مرغوب الشعراء" نامی
 ایک رسالہ کا کچھ حال دستیاب ہو سکا ہے۔

نمونہ کلام

دلوں کو کرتی ہے کشتہ محبتِ خطِ سبز
 ملی ہے اک نئی بوٹی یہ کیمیا کے لئے
 نونے خط ہوا تم کو کتابِ حسنِ ملی
 بھیجے آگے اترتے تھے انبیا کے لئے

اہلہر - (خورشید علی خاں)

افغانی النسل پٹھان — ایم اے تک تعلیم۔ کتب بینی کا معیار اور نچلا۔
ان کے والد عبد العلی خاں صاحب پیرے ہم جماعت تھے۔ وہ اب شاتلہ طور سے
دیوبند میں تعمیری ٹھیکوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ اہلہر بے ضرورت شعر نہیں کہتے
دل سے مجبور ہو کر غزل کی فطری صلاحیتوں کا حق ادا کرتے ہیں۔

نمونہ کلام

بن گیا راحتِ جاں ہر اک غم
ہر غموشی میں لطفِ تکلم

اللہ اللہ محبت کا عالم
ہر تکلم سکوتِ مجسم

اَلْفَتَّ اِیْن اَبَادِی

روزنامہ پرتاب دہلی کے ذمہ دار مرتب اور نظم نگار ہیں۔ جاوید اور
عمر بھر کی کمانی مغربی پاکستان میں چھوڑ آئے۔ مگر اپنی تباہی کے ماتم گسار نہ بنے
حسن کلام اپنے عروج منتقل کا شاہدِ عادل ہے۔ شعر کہتے وقت ادما کہ وہ
شعور کی پاکیزگی ان کے دماغ کا احاطہ کر لیتی ہے۔

نمونہ کلام

مری غزل میں مزاج ہوس نہیں شامل
کہ میں حقیقتِ دل کو غزل سمجھتا ہوں
ہر ایک شکشِ زندگی کو اے الفت
تصورِ عشق کا پتہ عمل سمجھتا ہوں

اقدس جید آبادی - (محمد عباس)

کالی کمان جید آباد میں مکان - حضرت سلیم پانی پتی سے تلمذ - قلم میں رنگینی
اور چمکی دونوں میں موجود -
مفہوم حیات کو سمجھ کر غزل میں اپنی زندگی کے اسرار و سرسبتہ بیان کرنے والے
سمجھدار شاعر - کہنہ مشقی نے رنگ سخن اور گہرا کردیا ہے -

موزہ کلام

آنے والا ہے کوئی دم میں وہ ترسکِ محشر
فتنے مشغول ہیں کیا انجمن آرائی میں
جو نہ کرنا تھا کیا عشق کی خاطر ہم نے
جو نہ ہونا تھا ہوا عشق کی رسوائی میں

آہوجہ۔ دیوان مقررانا

تعلیم ایم اے تک ہے۔ پرائونشل سرورس کا امتحان پاس کر کے شہر سے قبل لاہور۔ لائلپور وغیرہ میں بھڑک رہا ہے اب بھٹنڈہ مشرقی پنجاب میں ڈپٹی کمشنر ہیں۔ تیسرے ہونٹوں سے گھسی جڑا نہیں ہوتا۔ اخلاق کی وسعت بے نیاز قید نسل درنگ ہے۔ جدید اصول تنقید سے باخبر ہیں۔ بلند مرتبہ نقاد ہیں۔ کلام میں بولوں تخیل کی طلعتیں چمکتی ہیں۔ الفاظ کی فیض شناسی میں تعلق بھارتی شعروں کی بے معنی طلسم کادی سے مرعوب نہیں ہوتے۔ ہر شعر بیان کی نفاست تخیل کے سخن اور خیال کی دلپذیری کا جلوہ نما ہوتا ہے۔

نمونہ کلام

جائزہ لے کے ترے سخن کا سمجھا میں نے

میری نظروں کی لطافت تری تصویر میں ہے

تو نہ ردک اپنی جھادوں کا کہیں ربط عمل

میں ہے عائدں کا جو کچھ مری تقدیر میں ہے

اثر۔ (میرزا چنگیزی)

وطن مالوف فیروز آباد۔ سال ولادت، اگست ۱۹۰۵ء، اردو فارسی کے متعدد امتحانات پاس ہیں۔ غزل کے علاوہ، نظم۔ مثنوی۔ رباعیات کہنے میں خاصی بہارت ہے۔ تیز کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ پڑھنے کا انداز دکھش ہے۔ مطالعے کی محنت نے تجزیل کے آئینے کو کامیاب جلادی ہے۔

نمونہ کلام

نعموں میں سحرِ حسن میں مستی۔ گلوں میں رنگ
 ہے ساری کائنات تمہارے شباب سے
 ہوئی ضرور ہوئی لغزش جنوں مجھ سے
 ہنسی بہار کے ہونٹوں پر پائی جاتی ہے
 ٹھہرے تو ہر نگاہ کی خمیش ٹھہر گئی
 اٹھے تو اپنے ساتھ قیامت لئے ہوئے
 ذرا اسے بے خودی زحمت تو ہو گی
 یہیں بھولا ہوں لطف آگئی کو
 صنم کدوں میں کئی عصمتِ نگاہ مری
 بنا گئے ترے جلوے گناہگار مجھے

اتفر (سید سعید رضوی)

پورے بانی علیہ السلام نظر نگار۔ وطن۔ صدیوں سے ریاست و امارت خاندان کا ورثہ ہے۔ لیکن اعلانِ عداوت میں غور و دولت شامل نہیں۔ غریب و امیر کا کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ صرف شاعر ہی نہیں شاعر نواز بھی ہیں۔ منظر نگار کے تمام شاعروں میں اہم ونیسی جوتے ہیں۔ اور اکثر شعرا کے بزرگان ہوتے ہیں۔

اپنے بہنوئی جناب حافظہ عبدالحق سوز مرحوم تلمیذ حضرت و آخ سے اصلاح لیتے رہے۔

ادب و شہزادہ نایاب کتابی: خیرہ کے مالک ہیں۔
 نئی نوادرات: تصویروں کے ولداد ہیں۔ رنگ معن و کش اور انداز بیباک
 جاذبِ قلوب ہوتا ہے شاعروں میں کبھی غزل نہیں سناتے۔

نمونہ کلام

ہمارا دل ہی ہم سے بے وفا ہے
 کسی کی بے وفائی کا گلو کیا
 دے ہر آشنا نے ہم کو دھوکے
 ہم ناآشنائی کا گلو کیا

امین (عبدالباری)

مبارک پورہ ضلع اعظم گڑھ میں مدرسہ اجیار العلوم کے چہتم ہیں۔ فضیلتِ علم آباکی ہے۔ جادہ حریت میں ہرنازک ٹور پر رفیقانِ عمل کے کام آئے ہیں۔
 ماحول کاروباری ہے۔ مگر زندگی اُس سے کوسوں دور ہے۔ اپنے مدرسہ کے لئے بیش قیمت کتابوں کی ایک لائبریری قائم کی ہے۔ جس میں ہر شعبہ معلم کے لائق نسخے فراہم کر دئے ہیں۔ اتر پردیش کے اکثر علم دوست اور سیاسی کارکن سب اُن کی دوستی پر یقین رکھتے ہیں۔

نمونہ کلام

ہزار گردشِ ددراں ہوئی حریفِ حیات
 مجھے غمِ دورکار کرنے سکی
 بہارِ سخنِ گلستان میں لاکھ بار آئی
 مگر مجھے کبھی جانِ بہار کرنے سکی۔

امین گیلانی۔

لمٹھی سید ہیں۔ امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ادب و شعر کا فروری جزیر میں۔ لاہور اور لائلپور کے درمیانی شیخوپورہ میں آنکھ کتا ہوں کی تجارت کرتے ہیں۔ زیادہ کہتے ہیں لیکن ہر غزل میں اچھے اشعار کی کمی نہیں ہوتی۔

دیدہ زیب چہرہ ہے۔ لیکن جوانی معصوم۔ کلام میں دلکشی اور جاذبیت ہے۔ قافیہ پیمائی کے شعر نہیں کہتے۔ اپنے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں۔ تقسیم سے پہلے بار بار ہندوستان آئے اور شاعروں میں قابل قدر سمجھے گئے۔ اب پاکستان کے مقبول اور ذی عظمت شاعر ہیں۔

نمونہ کلام

دل کے تمام داغ بچھے دل کے ساتھ ساتھ
تار۔ بھین چھپ گئے نہ کامل کے ساتھ ساتھ

اے دل وہی نہیں کہیں پروردگارِ غم
آنسو بہا رہے ہیں جو محفل کے ساتھ ساتھ

آزاد۔ (دلاکھن سنگھ)

خود جہ ضلع بلند شہر کے کسی تری گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میرٹھ میں پڑھے اور مولانا ندرت میرٹھی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ شیپھورہ پنجاب میں ریلوے ملازم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ رفیقہ حیات کے انتقال کا صدمہ منظر و معنوم و باغ کو شعر کی طرف مائل کر گیا۔ شکر کے فسادات میں "اپنی بے گناہ موت" کا اثر ملنے والوں کے دلوں میں پھوڑ گئے۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ محبت سے حیات کا خمیر تیار ہوا تھا۔ دشمن سے بھی پیار بھری نظروں کی داد لیتے تھے۔ حسن اخلاق کا یہ مقام بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔

نمونہ کلام

ضیائے عشق سے روشن اگر ضمیر نہیں
تو زندگی کے اندھیروں کی یادگار ہیں
کسی کا روئے منور ہے زیب حسن خیال
بہت حسین سویروں کی یادگار ہیں

آذر - (عبدالرشید)

مدن پورہ بنارس میں رہتے ہیں۔ بنارس یونیورسٹی سے بی اے پاس کیا۔ لوگری
 کو وسیلہ معاش نہیں بنایا۔ "بنارسی کپڑوں پر عمدہ پالش" سے پرورش اعزا
 کا بابر عظیم اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے ہیں۔ بے حد ظریف الطبع۔ ٹھنڈے مذاق
 کے حامی۔ طنز کے تیر و نشتر ایسے اُن کے ترکش جیات میں ہیں۔ جن کی کسک بھی ہمارے
 لئے تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ شعر بہت کم کہتے ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں وہ علم و فن اندر
 و دل کی آمیزش کا مایاب پرتو ہوتا ہے۔

نمونہ کلام

آہ یہ نا قدری اربابِ دل کا دو بیخاں
 زندگی کو کوئی دردِ زندگی دیتا نہیں
 آرزو کی شمع کشتہ جس سے روشن ہو سکے
 کوئی جلوہ دل کی وہ تازہ روشنی دیتا نہیں

ایمن امرتسری۔

دلی کے کشمیری برہمن خاندان میں ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے ہیں۔ اپنے والد کے ساتھ پلرٹسری میں ملازم تھے۔ وہیں رہے۔ سوشل اور ملکی کاموں سے دلچسپی تھی۔ گریجویٹ ہو جانے پر بھی نوکری کا ارادہ نہیں کیا۔ تجارت وسیلہ معاش تھی۔ ۱۹۱۷ء میں یورپ کا سفر کیا۔ ضعیف العمر ہونے کے باوجود غزل میں فن کا شباب اور جذبات کی جوانی تھلکتی تھی۔ نواب مرزا خاں دارغ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ نظیری کی غزلیات کوئی کے قصائد۔ سعدی کی گلستاں اور بوستاں۔ حافظ کا دیوان اور خسرو کی کلیات صفحات کے حوالے سے یاد تھی۔ ”مثنوی“ ان کی جاندار اور پائدار نظم ہے۔

نمونہ کلام

چشمِ ایمن نے کہ نھی نمیدہ ارض و سما
ارتقاے ہستی فانی کی دیکھی اہتا
گر ہی سوزِ دلوں سے دل میں شعلہ سا اٹھا
آنکھ تک آیا مگر اک بوند بن کر رہ گیا
بوند آنسو کی وہ اک افسردہ غنچہ پر پری
پتھری نے یہ کہا حسرت سے مثنوی ہے یہی

۱۲۔ (عبادت علی خاں)

نزاکت و لغابت کے حسین امتزاج سے اثر کے خَلقی اجزا ترتیب دیئے گئے ہیں۔
 سانچہ ہی فطری شیپورہ میں کلرک ہیں۔ بلا قید و قافیہ آزاد منطقیں کہنے کا شوق ہے
 مزاجاً گیونسٹ ہیں عادتاً انسان ”غریب رامیر“ کی سماجی تقسیم ناگوار ہے۔ اس لئے
 کلام میں بھی اس مذہم اور غیر فطری جذبہ کے خلاف رنگِ اختلاف صاف جھلکتا ہے۔
 ترقی پسندی کے حامی ہیں۔ مگر اسے سیاسی عقائد کی تبلیغ کا ذریعہ بنانا پسند نہیں کرتے زندگی
 کی نئی قدروں کا خیر مقدم اسی حد تک کرتے ہیں، جہاں تک نامحدود تصادم کی نوبت نہ آئے۔
 ”الطاف مشہدی“ کو زندگی اور موت کی درمیانی کشمکش“ کا شاعرانہ عنوان سمجھتے ہیں میراجی
 سے زیادہ ن۔م۔ راجد سے متاثر ہیں۔ میراجی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ نہیں
 نقل کرنا مناسب نہیں۔ فاسقانہ جدوجہد کا ناکام آدمی جب شاعر بنے گا تو میراجی کے قریب
 پہنچ جائے گا۔ نثر کی جانب متوجہ ہوگا تو سعادت حسن منٹو کی ہر لوانی کو اپنے ساز جیتا
 کے فنوں میں سمونے کی کوشش کرے گا۔

نمونہ کلام

زندگی کے نئے موڑ پر آتے ہی آدمی دشمن آدمی ہو گیا
 عقل زردار سالوں میں گم ہو گئی بھوک افلاس کی زندگی ہو گئی
 زندگی کے نئے موڑ پر آتے ہی
 آدمی دشمن آدمی ہو گیا

اثر - (محمد علی خاں)

نام پور (یو، پی) کے مستند اور مایہ ناز شاعر ہیں۔ اُردو مادری زبان ہے فارسی سے فطری وابستگی ہے۔ ایران کے نئے ادب پر عبور حاصل ہے۔ بعض کتابیں پچھلے دنوں پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں بھی شامل تھیں۔ نظم اور غزل دونوں پر قادر ہیں۔ موت سے حلیل رہتے ہیں۔ جب کبھی زندگی سے ہٹنا رکھتے۔ زندگی۔ صحت۔ خوش روئی۔ خوش خوئی اور خوش گلہائی کی نعمتوں سے بہرہ اندوز رکھتے۔ اب بہر نفس

”آہ یاد آیام“ کے وظیفہ خواں ہیں

کلام میں غالب کے وقار۔ ذوق کی نقاست۔ داغ کی زبان کا جوہر نمایاں ہے۔ تباہ علم و ادب حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے قدر فرما کر اپنے محلہ سے ماہوار پبلسیشن مقرر فرما کر صرف آخر صاحب پر ہی نہیں پوری اردو دنیا پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ ان کی نظم ”مقصد حیات“ اپنی افادیت کے لحاظ سے صدیوں زندہ رہے گی۔

نمونہ کلام

اب کیا کہوں وہ راز بھی نظروں نے کہدیا
 رکھا تھا جس کو دل نے ہمیشہ زباں سے دور
 واما نہ طلب کوئی تھک کر گر انہ ہو
 کچھ گرد سی اٹھی ہے ابھی کارواں سے دور

احدی - (میر محمد علی احدی)

چیف کمنڈر کے دفتر میں معمولی ملازم تھے۔ آپ اُن سے مل کر اُنہیں کبھی شاعر
نہیں سمجھ سکتے تھے۔ سادگی فاکساری کی حد سے گذری ہوئی تھی۔ شاعرانہ فن کا
غزل سے الگ ہٹ کر ہندوستان کے قدرتی مناظر پر زور کلام صرف کرتی تھی۔
۱۹۴۰ء میں راہی ملک عدم ہوئے بھنت پر چڑھنے پر ملاحظہ فرمائیے۔

زنگِ گلِ امید اڑا یا بھنت نے
اس فصلِ گل میں گل یہ کھلایا بھنت نے

یا مل آہ میرے ہی دل کا کنول کیا
سب کا گل مراد کھلایا بھنت نے

اخگر جلال آبادی۔

جلال آباد۔ ضلع بجنور وطن تھا۔ نجیب آباد میں کٹھہ کا کاروبار کرتے تھے
داس سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ نمبرس زیادہ کہتے تھے۔ استاد کی تقلید نے زبان
و بیان کو دلی کالب دلچو غایت کیا تھا۔

نمونہ کلام

عشق میں دھیان ایک ہو تو کہوں
میرا سحان ایک ہو تو کہوں
مشکل آسان ایک ہو تو کہوں
دل میں ارمان ایک ہو تو کہوں
اے مری جان ایک ہو تو کہوں

آزاد فضل حق عظیم آبادی

۱۹۱۶ء اور ۱۹۱۷ء میں ان کی سیاسی تنظیموں میں دلورہ ہونے پیدا کرتے تھیں۔ صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے انگریزی اخبار کامریڈ میں ان کی زندگی پر کئی مقالے لکھے تھے۔ زبان کی پاکیزگی اور سائنس بیانی کا جوہر عظیم مزاج میں شامل تھا۔ دہلی کے مشہور کانگریسی رہنما مولانا عارف سہسوی مرحوم ۱۹۱۶ء میں خطیب نامی ایک ہفتہ وار نکالتے تھے۔ اس میں مولانا فضل حق عظیم آبادی کے مدبرا اشعار چھپے اور عوام و خواص میں مقبول ہوئے۔

نمونہ کلام

(برطانوی تشدد کی ایک تصویر ملاحظہ فرمائیے)

خیر جانوں کی ہوئی اصلانہ مال دجاہ کی
 آبرو زمین گئی گھر مٹ گئے درخت گئے
 دور انجمنش میں یہ سفاکی رہے گی یادگار
 کب خبر گیری ہوئی جب بندہ پروں کے

آفاق بنارس

پہلی کوٹھی بنارس کے قریب مکان تھا۔ کاروانِ آزادی کے رفیق سفر تھے
۱۹۴۷ء کی تحریکِ خلافت میں جوان تھے۔ غزل قدیم انداز میں فرماتے تھے۔ جو کچھ
کہتے تھے اُسنادی کا حق ادا کر دیتے تھے۔ نازک مزاجی نے جلقہ تلامذہ وسیع نہیں
ہونے دیا نہ دگ بھی کھے اور خوش گو بھی۔

مذونہ کلام

تیرنگہ ادھر ہے ادھر تیرا آہ ہے
وہ ہے ادھر کی چوٹ تو یہ ہے ادھر کی چوٹ
دینا میں سر اٹھانا بھی ہے باعثِ طلال
جو کوئی سر اٹھا کے چلا کھائی سر کی چوٹ

آفتاب کلیم امر وہوی۔

۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں بھارتیہ دن انتقال کیا۔ سربراہِ عمر کم تھا مگر مطالعہ۔ علم۔ اور سیاسی خدمات کی زندگی بڑی تھی۔ مجلس احمدیہ کے سرگرم جنرل سیکریٹری رہے۔ خطابت میں دل آویز انداز نصیب تھا۔ تقریر جاذبِ طلب ہوتی تھی جامعہ طبیبہ دہلی سے فارغ التحصیل طبیب تھے۔ ہنس کی بھارت نے سفار کی حدود سے آشنا کر دیا تھا۔

خودداری جوہرِ طبیعت تھی۔ کچھ دن بنارس میں بھی مطب کرتے رہے۔ بنگالیوں کی چمکا ایسا لگا تھا کہ اپنے 'فن' کی جانب توجہ دینے کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ اشعار کی تعداد کم ہوتی ہے۔ مگر 'فنِ دل کش' اور 'طرزِ بیان' خوبصورت تھا۔

نمونہ کلام

سن اے ابروِ جاوہِ زندگانی
بڑھا پاختن ہے، جوانی جنوں ہے

دلن آرزوئے مسرت کیسے ہو
جہاں آمدِ مرگ وجہ سنکوں ہے

ابراہیم مظفرنگری - (سید ابراہیم حسین)

سید ابراہیم حسین نام۔ ابراہیم تخلص۔ حضرت حلیل ناپچوری سے اصلاح لیتے تھے لنگہ کے کنارے قبہ سیکری میں پیدا ہوئے علوم مشرقیہ اپنے والد سے حاصل کئے تھے۔ انگریزی علیگڑھ میں پڑھی۔ تھارکاری پاس کر کے مظفرنگر گئے اور چالیس سال تک یہیں مقدمات کی پیروی کو وسیلہ معاش بنائے رکھا۔ زبان میں لکنت تھی مگر مشاعروں یا عدالتوں میں اس کا احساس کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ کٹر قسم کے محب وطن تھے۔ برطانوی سامراج کے ساتھ اختلاف دشمنی کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ علمی کتابیں جمع کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ استعمال الفاظ کا مزاج نرم تھا۔ ترش لب دلچسپ سے نفرت تھی۔ ان کی گہری تنقیدی نگاہ غالب کے فلسفیانہ افکار۔ اور اقبال کے بلند ملی خیالات کی قائل تھی۔ وہ غالب کو صاحب علم فن اور اقبال کو ذہن کا مجموعہ محاسن کہا کرتے تھے۔ ان کی ریاست تھی کہ غزل مشکل ہے اور اپنی عمل میں ہو سکتی۔ اس لئے غالب سے واقف رہنے کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری میں نہیں کیا۔ غزل کے معاملہ میں وہ اپنے جلیل القدر استاد سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ ان کے شعریہ آثار فارانہ جذبات اور جگر کے محاکاتی انداز کلام کو بھی اقبال کے آرزوئے کمال کے مشعل راہ کا درجہ دیتے تھے۔ اپنے دادا استاد حضرت امیر مینائی مرحوم سے عقیدت فطری تقاضہ تھی۔ اشعار شاعر سے حیات شاعر کے متعلق رائے قائم کرنے میں انہیں کبھی ناکام نہیں دیکھا۔ محتاط طرز گفتگو میں جو کچھ کہتے تھے کسی کو ناگوار نہ معلوم ہوتا تھا۔

نمونہ کلام

امیر سے برادر عزیزم کلیم عثمانی جو کلمہ دلف لالہ میں بس روزگار ہیں۔ ابراہیم

کے ننھالی رشتہ دار ہیں۔ اُن کے پاس ابرار صاحب کا جو کلام موجود ہے۔ یہ آفتاب اس
اُنہی کامرہون منت ہے۔

میری ہر بات پر بگڑتے ہو غیر کی بات کوئی بات نہیں
رُخ پہ بھری ہوئی ہے زلفِ سیاہ اب بھی کہہ دیجئے کہ رات نہیں

نتیجہ غمِ دل آپ سن نہ پائیں گے جو بھول کر کبھی سن لیں گے بھول جائیں گے

آپ کا کشتہ اترا زینِ غافل ہوں میں آپ کی صرف گریزاں نظری نے مارا

انتر۔ (یونس خالیدی)

لکھنؤ کے قدیم باشندے ہیں۔ شمالی زبان بولتے ہیں۔ ذہنی تحریکات میں پیش پیش رہے۔ آشنایانِ زنداں کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ "مطالعہ اور مشاہدہ" کے بل پر اچھے ذی عمل و علم ہو گئے۔ تقریر میں جادو۔ سخن میں رنگینی۔ آج کل "عظیم دہلوی" مرحوم کے متعلق جامع اور تحقیق سے لبریز کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کے مرکزی دفتر میں کافی عرصہ تک کام کرتے رہے۔ بے حد عاشق مزاج ہیں۔ مولوی ہو کر شاعر اور ادیب ہیں۔ یہ بھی اِس دور کا ایک معجزہ ہے۔

صبح گو مٹی کے کنارے فطرت کے مسکرتے ہوئے مناظر سے دلچسپیاں جذب کرنے میں گذرتی ہے اور شام امین آباد کے لالہ زارِ نبی آدم پارک کے اردگرد نگاہ دہل کے سکون کا سماں تلاش کرنے میں کٹ جاتی ہے۔

ان کے معصوم جذبات آغازِ شباب سے اب تک بیخبر ہوس ہیں۔ اگر مذہب اجازت دیتا تو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی تحسیروں کو بہ نظر ثواب تلاوت کرتے۔

مجھ سے بھی اسی لئے خوش ہیں کہ۔

”اسیرِ زلفِ کلامِ ابوالکلام ہوں میں“

میرے اشعار ہزاروں کی تعداد میں اُن کو یاد ہیں۔ مجھ ہی پر موقوف نہیں جو شاعر انہیں پسند ہوتا ہے۔ اہی کے حالاتِ زندگی۔ خوبی کلام اور مقامِ ادب پر اُن کی گہری نگاہ رہتی ہے۔

نمونہ کلام

وہ گہرا آیا بادل وہ اُٹھی گھٹائیں
وہ مستانہ چلنے لگی ہیں ہوا میں
یہی دقت نازک ہے بسیارِ غم پر
کوئی ان سے کہہ سے نہ اب یاد آئیں

احسن اندوری۔

مولانا محمد حسین آزاد کی آبجیات کو آدمی سمجھ لیا جائے۔ تو ”احسن اندوری“ اس کا ادبی نام ہوگا۔ شعرائے جمہور تذکرے اب تک چھپے ہیں یا کلمی نسخوں کی صورت میں غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ وہ انہیں زبانی یاد ہیں۔

گلبرگہ شریف میں قیام ہے۔ اجیر کے عرس میں شرکت کے لئے اعتقاد کے پورے خلوں سے آتے ہیں۔ ”زرد احرام“ کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں پہنتے۔ ٹوپی اور جوتہ بھی استعمال نہیں کرتے۔

مزارِ خواجہ کے پائین بیگھی دالان میں پھرتے ہیں۔ ”ہوش و جنوں“ دونوں عالم سے دن میں کئی بار گزرتے ہیں۔ اپنا نسبی تعلق اودھ کے شاہی خاندان سے بتاتے ہیں۔ پیشانی کا پیرعب انداز اس قول کی تصدیق ضرور کرتا ہے۔ عربی کو خدا کی۔ فارسی کو اربابِ علم کی۔ اردو کو اہلِ عشق کی اور ہندی کو سوز و گدازِ محبت کی زبان ملتے ہیں۔

اُن کا بیان ہے کہ وہ صوفی ایمان داری کے ساتھ معرفتِ آگاہ نہیں چمکتا جو سب کی بولی کو یار کی بولی مان کر ہر بولی سے پیار نہ کرے۔

ان کی مجلسِ بیادقات مجلسِ وعظ ہو جاتی تھی۔ جس میں وہ علی اور روحانی امور پر کتابی علم سے زیادہ صریح نکات بیان فرمایا کرتے

تھے۔ اُن کی تحقیقات نے یہ ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی کہ ہندوستان میں
 صونیا نے روحانی خدمتوں کے ساتھ عوام کی اصلاح نفس اور نظام تہذیب
 و تمدن کو خالص ہندوستانی نقطہ نگاہ کے مطابق سنوارا۔ کبھی کبھی
 پر جوش لفظوں میں کہا کرتے تھے کہ اگر صونی ازم عام کر دیا جائے۔ تو
 ذات پات کے جھگڑے اور لسانی تھیے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔
 سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے چشتیہ مسلک میں قوالی
 رنگ اور عرس کے دوسرے مراسم کی ترویج نفسِ اسی اصول کے ماتحت
 تھی۔

ایر خسرو جن کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی چشمِ کرم نے
 قلوبِ انسانیت کے ہر لفظ کو پڑھ کر ترجمانِ فطرت بنایا تھا۔ مسلک
 جثیت میں وہ سب سے پہلے شاعر ہیں۔ جنہوں نے فارسی ادب کی فاضلانہ
 تکمیل کے لئے ہندوستانی بول چال کو عشق و محبت کی چاشنی دے کر
 اُس راستہ پر گامزن کر دیا۔ جہاں کل انسانیت کا مرکزی مقام آسانی سے
 مل سکتا ہے۔

مولانا احسن نے بھی ”مزاجِ خسروی“ کو شیوائے عمل بنا کر اپنی زبان
 وہی رکھی ہے جسے آج اردو کہا جاتا ہے۔

نمونہ کلام

جس آنکھوں کی سہانی ہے بے آریا
 کہو پلکوں سے کہ سب پردہ دربن جائیں
 ساری دنیا کی نگاہوں سے الگ رہتے ہوئے
 ایسا ممکن ہے کہ وہ میری نظریں جائیں

انجم عاشقی علیگڑھی

نام محمد ناصر۔ انجم تخلص۔ عاشقی کنیت۔ علیگڑھ کے جوان فکر شاعر ہیں۔
اس وقت ۳۸ سال کی عمر ہے۔ شعر و سخن کی طرف بچپن سے طبیعت مائل ہے اور اس وقت
تک ذوق سلیم ہی اُن کی رہنمائی کر رہا ہے۔

نمونہ کلام

ہر حال میں شریکِ غم گستاں رہے وہ خار جن سے اہلِ حین بگمیاں رہے
امن و اماں کے نام پہ کشتارِ حسیں اور ہم فریب خوردہ امن و اماں رہے

عروجِ اتر بارِ دہر تھا حاصل جہاں مجھکو تجھے اے گردشِ دودن اسی مرکزِ پیر لائے

گم گشتہ منزل کو مبہم سانشاں ملتا کیا۔ جادہ منزل کے مل جانے سے کچھ کم ہے؟

آباد - (مولانا عبدالواحد)

دیوبند کے ممتاز شرفاء کے چشم و چراغ ہیں۔ خوشنویسی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ علمائے عصر حاضر میں بلند مرتبہ اور ذی علم ملنے جاتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے شعبہ حسابات کے نگراں ہیں۔ ذوق شعر پختہ ہے۔ مولانا تاجور نجیب آبادی کے ہم سبق رہے ہیں۔ اسی وقت سے ادب جزو زندگی بنا ہوا ہے۔ فی البیہ اشعار کہنے میں جہارت حاصل ہے۔ غزل کا مینا طرز بن کر پڑانے الفاظ کا ساتھ دیتا ہے

نمونہ کلام

پاسِ وفا کے عشق یہاں تک ہے اے ندیم
 دل میں ہزار زخم ہیں لب پر نعاں نہیں
 چہرے کا رنگ زرد ہے آنکھوں میں پونہی
 کہتا ہے کون جذبہ الفت جواں نہیں

اسد درانی۔

صورت۔ لباس۔ طرز گفتگو۔ تبسم۔ تکلم۔ ہر لحاظ سے شاعر ہیں۔ شکر سے پہلے محمود نگر لکھنؤ کے ایک بوسیدہ سے مکان میں رہتے تھے۔ اوائل عمر میں پیارے میاں صاحب رشید سے مشورہ سخن کیا۔ پھر مولانا صفیر مرزا پوری مصنف مشاطہ سخن کے اصلاح لی۔ لکھنؤ کے مدرسہ شعر و سخن کو سمیٹ کر انسانی تصویر بنائی جائے تو اس پر اسد درانی لکھنے میں آپ کو قطعاً تامل نہ ہوگا۔

منشی نول کشور کے مشہور مطبع میں بھی برسوں کام کیا۔ منشی صاحب آجہانی بڑے نباض فن اور صاحب نظر ارباب دانش میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی نگاہ اس شخص کو اپنے معیار کا آدمی سمجھتی تھی۔ جس میں جوہر علم و فن بافراط موجود ہو۔ اس سے آپ اسد صاحب کی عظمت علم و فن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان کا سینہ ایک دہکتی ہوئی کھٹی تھا۔ شدتِ آلام انکار کے لاکھوں آنسو بھی اس آگ کو نہ بجھا سکے۔

حمزہ۔ نعت۔ قصیدہ۔ منقبت۔ مرثیہ سب میں تغزل ہی چاشنی ضرور ہوتی تھی۔ بھرتی کا ایک لفظ ان کے کلام میں نہیں ملے گا۔ ان دنوں سندھ پاکستان میں ہیں۔ دس بارہ دیوان مرتب کئے۔ مگر دو شعر

بھی طباعت سے آشنا نہ ہوئے۔ ایسا "خوش قسمت" شاعر بھی کم دیکھنے کو ملے گا۔ جس کے ہزاروں شاگرد ہوں اور اپنے استاد کا کوئی دیوان شائع نہ کر سکیں۔ اور بڑھاپے میں اُسے اسپر افلاس دیکھ کر بھی کسی کمالی خدمت کی توفیق نہ ہو۔

میں جب لکھنؤ آتا تھا۔ تو اُن سے ضرور ملاقات ہوتی تھی۔ ٹاٹ کے بستر پر دو پیالی پلا دو دھ کی چائے وہ مجھے پلاتے تھے۔

انسوس ہے کہ پاکستان میں بھی فقر و فاقہ نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ خدا اُن کے حالات پر رحم کرے۔ مولانا صفدر مرزا پوری کے صاحبزادے سے یہاں اظہر لکھنؤ میں ہیں۔ کسی سیونگ مشین کی انجینسری اُن کے پاس ہے ذی علم باپ کے ذی ہوش بیٹے ہیں۔ استاد ڈرائی کے تلامذہ میں ہیں۔ وہ اور عرفان صاحب لکھنؤ میں منفرد نظر آتے ہیں۔ لکھنؤ کے موجودہ دور میں ددو کا خاصہ وقار ہے۔ انہیں سے اسد صاحب کے کچھ اشعار ملے۔

نمونہ کلام

بہاریں ادھر سے دے پاؤں گزریں
 جہاں میری دیوانگی سوہی ہے
 چین آپ کا ہے بہار آپ کی ہے
 نقطہ میرے قبضے میں دیوانگی ہے

آوارہ - (سید آل عبا قادری)

وطن ہارہرہ ضلع ایٹہ - ربیع الاول ۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے
 ریڑک سینٹیا پور سے پاس کیا - کیننگ کالج ککھنڈ - اگرہ کالج - علیگڑھ
 یونیورسٹی - عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں بھی تعلیمی دور گزارے
 شاید اسی ادارگی تلاش علم ہی کی بنا پر تخلص آوارہ رکھا۔
 ماہرہ کے جس خاندان کے ساتھ مرزا غالب کو خصوصیت رہی
 ہے - آوارہ بھی اسی کے ایک فرد ہیں - اُس کی زبان فلسفہ - حکمت و دانش سب
 کچھ گھر کی چیزیں ہیں - اُن کے والد بھی اپنے زمانہ کے مستند عالم اور
 صاحب طرز انشا پرداز مانے جاتے تھے - یہ خود تقریباً ۱۶ سال سے محکمہ
 نشریات میں ملازم ہیں -

آوارہ نظم و نشر دونوں بے تکلف لکھتے ہیں - دماغ اب اُنہیں
 کے لئے وقف ہو گیا ہے - اُسرار بند - سفاک دہن - بے پرکی - اپنی ملاح
 میں اور دوسری کتابیں ملک میں پر عظمت سمجھی جاتی ہیں -
 شعر کہتے ہیں تو ہمہ تن شعر بن جاتے ہیں - اور زبان و فن کو ساتھ چلنے
 پر مجبور رکھتے ہیں -

نمونہ کلام

مرنے پہ جیاتِ جاوداں ملتی ہے
جھجکڑوں سے زمانے کے اماں ملتی ہو
تم دیکھ رہے ہو زندگی کا جو خواب
اس خواب کی تعبیر دہاں ملتی ہے

ایرہ (سدھارام)

جو لوگ لاہور گئے ہیں انہوں نے سُرگنگھارام کا اسپتال ضرور دیکھا ہوگا۔
 سدھارام انہیں کے پھوٹے برادری تھے۔ دیال سنگھ کالج میں تعلیم پائی۔ مولانا
 تاجوز کو غزلیں دکھاتے رہے۔ سرمایہ دار ہونے کے باوجود فقیرانہ انداز رہتی ان کو مرغوب تھا
 ڈاکٹر تائیر مرحوم کو ان سے تلبی لگاؤ تھا۔ مغربی کنویں جھانکنے کے بعد مشرقی کمال سخن کے
 گردیدہ ہو گئے تھے۔ یورپ ان کے نزدیک خوشترنگ مگر بے مضمون لطف کی مثال تھا۔ انگلش
 لٹریچر کو عمیق نظروں سے پڑھا۔ یورپ حسن و عشق کے معصوم امتزاج کا اہل ہی نہیں ہے۔
 ہوس دلوں کا ثمرہ بہا رہے۔ اس لئے حسن و عشق کے متعلق ہر نظریہ ہوس کا رانہ ہے۔ فروری
 چند ساعت جب پوری ہو جاتی ہے۔ تو فکر و خیال کا دامن بالکل خالی نظر آتا ہے۔ بخلاف
 اس کے مشرقی ممالک نے حسن کو قدرت کا پر تو جمال سمجھ کر قابلِ پرستش سمجھا۔ اس جذبہ پرستش
 نے نگاہ کو پاک اور دل کو داغ گناہ سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ اس لئے مشرقی ادب زندہ
 ہے اور زندہ رہے گا۔

نمونہ کلام

مری جیات کے پاکیزہ ذوقِ غم کی قسم
 ہوس کم عمر طرب کے سوا کچھ اور نہیں
 مریخیاں۔ مری زندگی۔ مرا احساس
 تمام حسنِ ادب کے سوا کچھ اور نہیں

اکملی ملتانی۔

حرم دروازہ ملتان کے ایک چھوٹے سے مکان میں انکی روح نے لباسِ وجود پہنا
 ودریش باپ بھیلڑوں کی چرائی پر گذر اوقات کرتا تھا۔ اکملی بھی بچپن میں ان کے ساتھ
 "سیر ہمراہ" کا لطف اٹھاتے تھے۔ بے شاہ کی کانیاں اور وارث کی بہنیں انھیں از بر یاد
 تھی۔ والد کا انتقال ہو جانے پر بہ تلاشِ معاش لاہور چلے آئے "دانا گنج بخش" کے دروازے
 پر مذاہرین کی حفاظتِ پاپوش، ذریعہٴ رزگار بنا۔ داتا دربار کی مسجد کے پیش امام
 سے اُردو اور فارسی پڑھی۔ کلامِ وارث کی روحانیت اور جوارِ گنج بخش کے فیضان
 نے اُردو میں شعر کہنے کی توفیق بخشی۔ بعد مغرب استانہ اقدس پر حاضری کے وقت
 اپنا کلامِ سخن داؤدی میں پیش کرتے تھے۔ لاہور ہی میں انتقال کیا۔ درگاہ شریف
 کے نزدیک دفن ہوئے۔

نمونہ کلام

اے کاش اجل آئے اکمل غزبت میں دلِ دیوانہ کو
 وہ فیضِ شہادت پاتا ہے غزبت میں جسے کوا آتی ہے

میں نے دیکھی ہے بار بار وہ نظرِ حشر ہے گوشہٴ نظر جس کا

اکبر رضوانی

تھیں فتحپور بارہ ہنگی کے رہنے والے تھے۔ جلیپور رام۔ پی میں حکمت کرتے رہے
 مرلیوں کو اپنے اشعار سنا کر بلا دوا اچھا کر دینے کی قوت، اُن میں تھی۔
 اپنی کمائی کا دو تہائی حصہ غریبوں میں بانٹتے تھے۔ بقیہ رقم میں سے نصف
 کتابیں خریدنے کے کام آتا تھا اور جو کچھ باقی بچتا تھا اسی سے بچوں کی پرورش کے
 فرائض انجام دیتے تھے۔

آخری عمر میں دودھ بیٹوں میں مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہو گئے۔ دورِ خرید
 شکن میں چند اشعار کہے جو اُن کے پوتے مولانا مسقر رضوانی لقمیم حال راولپنڈی
 سے دستیاب ہوئے۔

ممنونہ کلام

کس درجہ نا سمجھ میں یہ دُنيا کے لوگ بھی
 اک ہر شمنذ عشق کو دیوانہ کہندیا
 جب کام دے سکی نہ زباں اُن کے رُو
 آنسو بہا کے مجھ کا افسانہ کہہ رہا

اہلِ قاضی

اخبار انقلاب بیٹی کے سب ایڈیٹر ہیں۔ یہ بھی انجین مبارک پوری کے ہم وطن ہیں۔ سمندر عرب کی جدید عربی کے ماہر عالم ہیں۔ اردو ادب پر عبور حاصل ہے۔ صدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اندازِ نگارش یکساں رہتا ہے۔ پڑھنے والے ان کے طرزِ تحریر سے مانوس ہیں۔ کافی حد تک گوشہ نشین ہیں۔ کبھی کبھی بیٹی کے کسی شاعرے میں چلے جاتے ہیں

نمونہ کلام

آبرو کے ساتھ اٹھ جانا کسی کی بزم سے
 اے جنونِ عشق تیرا ہی کمالِ ہوش ہے
 شکر ہے وہ تاسرِ مرثاں کبھی آتی نہیں
 جو حقیقتِ زندگی کی روح میں روپوش ہے

اُپر خورشید

صحیح صادق کے عین اُجالے کو کارکنانِ قضا و قدر نے قالبِ انسانی میں ڈھانکر
 احمد آباد گجرات میں جس کو بھیجا اس کا نام اُپر خورشید ہے! سیاہی اور سفیدی کے سنگر سے
 لپٹا جلتا رنگ ہے۔ ہونٹوں کی نیم مسکراہٹ۔ غم کی شدتیں بھی اُن سے نہ پھین سکیں۔
 بیوی سے عشق تھا۔ اس کا انتقال ہوا۔ دختر نیک اختر صاحبہ خاتون جوانی میں
 داغِ مفارقت دے گئی۔ اب وہ تنہا ہیں۔ صرف ضعیف العمر والدہ گھر کی دیکھ بھال
 کرتی ہیں۔

باپ نے کافی دولت چھوڑی۔ اس لئے معاش کی طرف سے بے فکر ہیں۔ خرچ
 نہایت مناسب۔ زندگی کا معیار نمائش پسند نہیں۔
 ان دنوں حضرت میراں شاہ داتا کی درگاہ میں علمی مشاغل مکمل کر رہے ہیں۔
 از "آدم تا ایندم" ایک کتاب زیر تصنیف ہے جس میں تاریخِ عالم کے اہم واقعات کو
 انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھ رہے ہیں

نمونہ کلام

غم سے گھبرانے تو ہیں جیات غم سے ٹکرانے جاتیں زندگی
 چند ساعت کی مسرت کو نہ لے مانگ دردِ جاوید از زندگی

امن شیرازی

ان کے پدر بزرگوار کاہل سے کھنسو بغرض تجارت آئے اور یہاں سے بنارس چلے گئے۔ وہیں شادی کی۔ امن کی دنیا کا وہیں سے آغاز ہوا۔ مولانا امین جو پوری سے علم و ادب دونوں کی تکمیل کی۔ میٹا برج کلکتہ کی کسی مسجد میں امام رہے۔ ارباب ایمان کے پندار تقویٰ کی پابندیاں برداشت نہ کر سکے۔ اور آخری وقت تک زبرد خراب حال رہے۔ مجذوبانہ اعاز میں دو چار غزلیں بھی کہیں۔ جنہیں ”دف“ پر لگا کر خود ہی سرود ہوا کرتے تھے۔

نمونہ کلام

اللہ اللہ یہ مے جذب محبت کا کمال
 جلوے خود کھنچ کے مری تابِ نظر تک پہنچے
 ظلمتِ غم سے ملے تو دل مضطر کو نجات
 کاروانِ شبِ مستی تو سحر تک پہنچے

بار بار عقل کے افسانے کو کیوں پھیرتے ہو
 امن دیوانہ ہے دیوانے کو کیوں چھیڑتے ہو

برہم - (عابد علی حعفر بھائی)

بیٹی کے پڑانے مزدور درکر - ذی علم - صاحبِ اخلاق - اور درد مند انسان ہیں جو روشِ زندگی نے سلسلے سے اختیار کی آج تک اسی پر قائم ہیں۔ احسان و مروت کا آدم زاد خاکہ ہیں۔ اس خاکے میں حسنِ عمل نے مقبولیت کے ہزاروں رنگ بھرے ہیں جنہاں ملک کے معاملہ میں کسی بے ہنگام آواز کو سننا پسند نہیں کرتے۔ ہر مہندوستانی کو سچا وطن دوست بنانے کی کوششِ شبانہ روز جاری ہے۔

مرکزی حکومت ہند کے نائب وزیرِ محنت ہیں۔ حکومت ان کے غلام اور عوام ان کے پر محبت و لولہ خدمت پر یقین رکھتے ہیں۔

ان شاعروں سے جو مشاعروں میں بے تک چڑھا کر آتے ہیں۔ انہیں قلبی نفرت ہے۔ ادب کو اس بدذوقی سے محفوظ رکھنے کی آرزو ان کے دل میں ہر وقت جواں رہتی ہے۔

نمونہ کلام

رُخ تہذیب کا ہر حسن نمایاں ہو جائے

آج کا شاعر و فن کار جو انساں ہو جائے

میری کوشش ہے کہ ہر ختیچہ افسردہ مزاج

چین ہند کی آغوش میں مخداناں ہو جائے

امیر دھا پوری

افضل گڑھ ضلع بجنور وطن ہے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی عمارتی لکڑی کی تجارت ذریعہ معاش ہے۔ شعور بیدار اور ذوق نظر زندہ ہے۔ شاعرانہ جذبہ فطری ہے۔ زود گو بھی ہیں اور خوش گو بھی تحت اللفظ پڑھتے ہیں اور سامعین پر ماہرانہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ طبیعت نہایت دردمند پائی ہے۔ کسی پریشانی حناطر انسان کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ مجھے اپنے جی متوسلین پر ناز ہے امیر کا شمار ان کی صف اولین میں ہے۔



گردش ایام کا ہر رخ ہے میرے
وقت کی رفتار کو پہچان کر چلتا ہوں میں
اللہ اللہ رہبروں کی رہنمائی کے تجربا
دل کو اپنے خضر منزل مان کر چلتا ہوں میں

بہارِ الہ آبادی - (سید محمد الیاس)

الہ آباد کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے تعلیمی دور ختم کر کے وہیں ملازمت کر لی۔ ادب سے بہت لگاؤ ہے۔ شاعری و رثہ میں ملی ہے اُن کے دادا حافظ قاری سید محمد عبدالصمد حلوی دہلوی اور والد منشی سید محمد سعید حسینی عروج بھی شاعر ہے۔ ماسٹر عبدالمجید صاحب خلیل الہ آبادی سے تلمذ ہیں۔ کم کہتے ہیں۔ لیکن جو کچھ کہتے ہیں۔ جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ مشاعروں میں خوش گلوئی کے باوجود شرکت نہیں کرتے۔ سنجیدہ۔ بردبار اور بامروت جوان ہیں۔ گفتگو بہت محتاط انداز میں کرتے ہیں۔ خلوص اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ طلقاً عجاب بہت محدود ہے۔ عام طور پر شعر سنانے کے عادی نہیں۔ حاکمہ میں دہلی آئے اور پھر یہیں ہارڈنگ لائبریری میں ملازمت کر لی۔ تا ایں دم وہیں کام کر رہے ہیں۔

نمونہ کلام

اس لئے پھوڑ دی امواجِ بلا میں کشتی
جو صلہ ٹوٹ نہ جائے کہیں طوفانوں کا
صبح تک روتی رہی ایک ہی صورت سے بہا
شمع پر زنگ کچھ ایسا جما پروانوں کا

دیکھئے ایک بار پھر مجھ کو نگاہِ ناز سے
آپ نے پہلے پہل دیکھا تھا جس انداز سے

یغیوں کی حدیں عزمِ مستقل معراجِ عظمت ہے
اسے ذوقِ طلبِ وہم و گماں سے کچھ نہیں ہوتا

بسمل درام پر شاہ

کا کوری کیس کے سرفروش ہیرو۔ اشفاق اللہ خاں شاہ جہاں پوری کے محرم
دوست۔ وطن عزیز کے ذرہ ذرہ پر والہانہ فریفتہ۔ خلوتِ زنداں میں زنجیر کی جھنکاروں
نے حیات کی رگ رگ میں سما کر شاعر پر سوز بنا دیا۔

گورکھپور میں سجائی عبدالاحد خاں مرحوم جن کی خاموش خدمات وطن کے گہرے
اسرار و رموز کو کبھی کسی نے جاننے کی کوشش نہیں کی۔ بسمل کے رفیق کار تھے۔ اور اسے
اس راہ پر گامزن کرنے کا خضرِ دل انہیں کو کہنا چاہیے۔

خاں صاحب مرحوم نے جیل خانہ کی تکڑم سے بسمل کے جو اشعار حاصل کئے۔ وہ
چار آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اُردو زبان بھی کتنی خوش قسمت ہے کہ جہاں غزل کا سرمایہ
اُس کے پاس ہے۔ وطنِ مجاہدین کی آوازیں بھی اسی کے الفاظ سے مرتب ہوئی ہیں۔
اس حقیقت سے کسی کو بھی اتکا نہیں ہو سکتا کہ اُردو میں جس قدر قومی نظمیں۔ وطنی ترانے
اور مجاہدانہ اشعار ملتے ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

علامہ برجواہن داتا تریہ کبھی نے ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ ہندوستان میں۔ قدیم
سے قدیم زبان باہر سے آئی۔ اس لئے ہندوستان سے عشق کا وہ مقام کبھی حاصل نہ کر سکی جو
ہندوستان کی اپنی بیٹی برج بھاشا اُردو کو نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں غالب کی غزل مقبول
عام ہے۔ وہیں بسمل کی صوتِ حیات بھی رہتی دنیا تک گونجتی رہے گی۔

نمونہ کلام

وطن کے نام پہ مرنا ہمیں کو آتا ہے
وطن بے غم گزرتا، ہمیں کو آتا ہے

وطن کے نام پہ مرنا ہے زندگی بسمل
جہاں لرزنے میں ہر ایک رہنما کے قدم

بدنام جالندھری۔

سرور اکیسر سنگھ بدنام کو در ضلع جالندھری کے باشندہ تھے۔ بھٹی میں کسی کارخانہ چوب میں ملازم تھے۔ مولانا گرامی کے آغوشِ کرم سے نوازے گئے۔ خمریات مومذبح کلام تھا۔ پیتے کم مگر ذکرِ شراب زیادہ کرتے تھے۔ آخر عمر میں گرتھ صاحب کا ذوقِ تلاوت فریبائی کی معنوی خوبیاں زندگی میں جذب کرنے کی خاطر پاک پٹن لے گیا۔ وہیں عالمِ بالا کو سدھار جب کبھی لاہور آتے تو مولانا تاجور نجیب آبادی سے فرور ملتے۔

نمونہ کلام

واعظِ شہر کی جانب سے ہوا ہوں بدنام
 بادۂ ناب تو بدنام نہیں کرتی ہے
 منزلِ مرگ تک آتی ہے سلسلِ چل کر
 زندگی راہ میں آرام نہیں کرتی ہے

بسط رحمانی

مونگیر (بہار) میں اُن کے دامن ہستی نے عالم کی فضا سے بسط سے آشنائی شروع کی۔ امی ابقی کے عشق نے علم کی جانب مائل ہی نہ ہونے دیا۔ ترک سکونت کر کے دہرادون اور بہارن پور کے درمیانی مقام موہڑ میں مصرف عبادت رہے۔ دن بھر پہاڑوں پر رہتے اور شام کو پھوس کی کٹیا میں آرام فرماتے۔ کلیر شریف کے عرس میں حاضری کبھی قضا نہ کی۔ وہیں ۱۲ ربیع الاول کے مشاعرے میں ننگے سر اور برہنہ پا کابل کا کرتہ زیب تن کئے تشریف لے آئے تھے۔ صدر کی اجازت کے محتاج نہ تھے۔ جب جی میں آتی تھی خود تخت پر جلوہ افروز ہو کر غزل سنا دیتے تھے۔ کب اور کہاں انتقال ہوا۔ یہ سوال حشر تک محتاج جواب ہی رہے گا

نمونہ کلام

گم ہوا میں اس لئے ہوتی ہے پر دانوں کی خاک
 پائیں کیوں اربابِ عقل دہوش دیوانوں کی خاک
 جب سے گزرے ہیں جنوں پر در دگان زلفِ ناز
 اڑتی رہتی ہے فقاہوں میں بیا بانوں کی خاک

برق گنگوہی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں پربزرگوار گنگوہ ضلع سہارن پور سے راہ فرار اختیار کر کے اجپیر شریف جا بسے۔ ان کے ابر مراد سے یہ برق شعر و سخن ذہین نمودار ہوئی۔ مولانا افضل بخاری مختلف درگاہِ معنی نے عالم باعمل بنا دیا۔ مشنوی مولانا روم کے حافظ تھے۔ نثر میں گنگوہی کم فرماتے تھے۔ ہر سوال کا جواب مشنوی سے ہی دیتے تھے۔ مضامین مشنوی کو آیات کلام اللہ کے عین مطابق ثابت کرنے کے لئے ضخیم کتاب تصنیف کی۔ افسوس ۱۸۵۷ء میں جب ان کا گھر تباہ ہوا تو یہ ہمیش بہا علی امانت بھی ضائع ہو گئی۔ مولانا صفی اجپیری مرحوم کے پاس ان کے اردو اشعار کی ایک بیاض تھی۔ اپنے ذوق کے مطابق جنے اشعار میں نے نقل کئے۔ انہی میں سے یہ نمونہ حاضر ہے۔

نمونہ کلام

ماسوا سے زندگی کو آشنا کرتے نہیں
 عارفِ حسنِ بتاں ذکرِ خدا کرتے نہیں
 عشق کو جن کی بندی بل چکی روز ازل
 وہ گوارا زحمتِ دستِ و جا کرتے نہیں

باقر۔ مرزا

کنچورہ ضلع کرنال میں نواب ابراہیم علی خاں صاحب مرحوم کے کارندے تھے۔ زندگی کی قدر و قیمت سے واقف تھے۔ شائستہ مزاج اور بہذب امور لوگوں کے مالک تھے۔ عربی اور فارسی کے ساتھ ہندوستان کی اکثر زبانیں سیکھی تھیں۔

امیر خسرو سے روح کو نسبت تھی۔ ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو دہلی پہنچتے تھے اور حضرت امیر خسرو کے مزار پر حاضر ہو کر اخذ فیوض کی کوشش کرتے تھے۔

جامی کو عاشقِ رسولؐ۔ خسرو کو خدا کے محبوب۔ عرقی کو لطیفہ بادشاہوں نظیر سی کو غزل کی حقیقت کا مجازی پیکر۔ حافظ کو میکدہ معرفت کا پیر مغاں۔ سحری کو واعظ شوخ مزاج اور غالب کو قریم جامعیت فن کا جدید قالب سخن کہا کرتے تھے۔ ملازمت کے باوجود آقا اور خادم کا فرق زندگی پر کبھی طاری نہ ہونے دیا کبھی کبھی نواب ابراہیم علی خاں صاحب سے علمی بحث بڑھ کر جنگ کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ نواب صاحب بھی مرزا کے رنگِ طبیعت سے واقف ہو چکے تھے۔ اس لئے اُن کی پیشانی پر کبھی بل بھی نہ آتا تھا۔ چار دیوان اپنے اشعار کے مرتب کے شمارے سے پہلے نواب صاحب کے کتب خانے میں موجود تھے۔ معلوم نہیں دستبرد زمانہ نے اس کتب خانہ کو کہاں منتقل کیا۔ نواب صاحب کے صاحبزادے اقبال مرحوم جو ضادات میں شہید ہوئے میرے مخلص دوست تھے۔ اُن کی معرفت چند منتخب غزلیں پہنچی تھیں۔

نمونہ عکلام

یوں زندگی ہے میرے دلِ بقرار کی
رستے میں جیسے موتِ غریبِ الدیار کی
مجھ تک کبھی نفس میں نہ لائے یہ بوجے گل
کمِ ظرفیاں تو دیکھ نسیم بہار کی

باغی - (سلیمان عبداللہ)

کوچہ میر عاشق دلی میں رہتے تھے۔ جن عرب باشندوں نے مستقل سکونت ہندوستان میں اختیار کر لی تھی۔ سلیمان عبداللہ انہیں کی اولاد تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رفیق درس اور حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر کی کے مرید با صفا تھے۔ انگریزوں سے جہاد کی تیاری کے لئے جامع مسجد دہلی کے گرم فرش پر برہنہ پا دوڑتے تھے۔ تاکہ مصائب و آلام کے وقت کوئی عذر و ماخذ میں نہ آسکے۔

رسالہ "بغاوت" ان کی تصنیف و اسالعلوم دیوبند کی قلمی کتابوں میں موجود

ہے۔

نمونہ کلام

محمد کے عاشق فداکار مومن

جیوش رسالت کے مقدور مومن

فرنگی حکومت کی تعبیر ڈھادی

گر ادب ستم کا محل یہ گرا دیں

اگر ہندو غیروں سے آزاد ہوگا

زمانہ نہ آفت سے برابر ہوگا

پیر برق (جو الپہ نشاد فیروز پوری)

شہدے میں باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ سر فروش محب وطن تھے۔ اہل وطن راجوری کشمیر تھا۔ تعلیم امرتسر میں حاصل کی۔ فیروز پور میں کشمیری شالوں کی تجارت کرتے تھے۔

رگ رگ میں دلولہ آزادی بھرا ہوا تھا۔ ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور میں پھانسی دی گئی۔ عدالت میں جو مقدمہ پیش ہوا تھا وہ اس کے حقیقی ملزم نہیں تھے۔ فضل دین شاہ پوری کو بچانے کے لئے خود اقرارِ جرم کیا۔ اور ہندو مسلم اتحاد کا وہ بمثال نمونہ پیش کر دیا جو اب تک لائق تقلید رہے گا۔

مولانا احمد علی صاحب ممدوٹ کے صاحبزادہ انور بیابا لاہوری کے پاس برٹن کے وہ خطوط موجود ہیں جو فضل دین شاہ پوری صاحب کے نام حالات سے بھیجے تھے۔ انہیں میں کچھ اشعار بھی انہوں نے لکھے تھے۔

نمونہ کلام

موت بھی اس راہ میں آئے تو اسے برقی حزیں
سازِ حریت کے نغمے سن کے ہر دم جھومے
دار کا تختہ میسر ہو تو بے خوف دھجک
دار پر چڑھتے ہوئے پھانسی کا پھندا چومے

بصیر (لائق علی)

سیولہ ماہ فصیح بجنور وطن مالون تھا۔ مدد اس میں کسی سرکاری مدرسہ میں معلم ہے تجزیہ کائنات کا دلولہ بیدار تھا۔ جو چیز نظر سے گذرتی اس کو گھنٹوں زیرِ غور رکھتے اجرامِ فلکی کے خاص کا علم حاصل کرنے میں عمر کا کافی حصہ ختم کیا سمندر کے کنارے رات کو وہ بین سے ستاروں کے عکس دیکھتے رہتے تھے۔ مدوجزر پر اثراتِ انجم کیونکر طاری ہوتے ہیں۔ اور یانی کے جوار بجائے سے فضاؤں سے جگہ میں پیوست ہونے والے حالات دنیا پر کیا اثر ڈالتے ہیں۔ ان قدرتی سوالوں کا جواب کبھی ان کو ملا ہے یا نہیں۔ اس راز کو انہوں نے کبھی منکشف نہیں کیا۔ فلسفے کی خشک زندگی میں بھی شرد سخن کی تازگی ان کے لئے انعامِ مثبت کا درجہ رکھتی تھی۔

نمونہ کلام

سمجھ کے کاہکشاں کو کتابِ فکر و نظر
تمام رات ستاروں سے بات کرتا ہوں
جنہیں کہانہ زبانِ نجوم نے اب تک
میں منکشف وہ رموزِ حیات کرتا ہوں

بلغ مراد ابادی - فضل احمد

بانس منڈی کانپور میں اپنے والد کے ساتھ معروف تجارت رہے بلکہ میں ریاست بھادپور چلے گئے۔ اقبال لائبریری کانپور کے مخلص مہر دستے۔ نقد و نظر کے معاملے میں بے رحم نقاد تھے۔ پندار شعور افادیت کی مد تک پہنچ چکا تھا۔ محاکمہ نقد و غالب نامی ایک کتابچہ لکھا تھا۔ جس میں اپنی مافی توجہ سے کام لے کر ذوق کو غالب پر فوقیت دینے کی جان توڑ کوشش کی تھی۔

مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس کتابچہ پر تعارف مقرر فرمایا تھا۔ اقبال لائبریری کی بعض نشستوں میں ان سے کچھ کلام سنا۔

نمونہ کلام

ہزل ہر ایک دل کی تر جہاں ہے

زبان شہوی میسری زباں ہے

پرستار ادب تو ہوں میں لیکن

ادب کا احترام فن کہاں ہے

برجہون تھا نیسری

کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ بنوں میں ایم اے کیا۔ اب چنڈی گڑھ میں کسی متن
عہدہ پر فائز ہیں۔ تھانیسر میں نیا مکان تعمیر کر کے افراد خاندان کو وہیں آباد کر لیا
ہے۔

علامہ کیفی دہلوی کے شاگرد ہیں۔ خوش گوہی۔ تخیل آلائش اخلاط سے پاک
ہیں۔ اپنے حلقہ میں پریم شجاری کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ہندی کو سرکاری اور اردو
کو ادبی اور عوامی زبان مان کر دونوں کی خدمت کر رہے ہیں۔

نمونہ کلام

مری اُمید کو محروم التفات نہ کر
جیسے ہلاکت فریبِ غم جیسا تنہا نہ کر

جو بات خاطرِ احباب پر گراں گذرے
اوازِ بانِ قلم سے کبھی وہ بات نہ کر

بانی (محمد اقبال)

لکھنؤ کے درسہ فکر و کلام کا نوجوان نابض ہے۔ ابوالفضل مولانا شمس لکھنوی کے ادبی معتقد ہیں۔ فطرت سلیم مگر مزاج لاابالی ہے۔

ارادہ بلند۔ حوصلہ تیز۔ لیکن کسل مند جذبات کو پر جان چڑھانے کی ہر آرزو

مضمحل۔

ادب۔ شعر۔ معارف۔ نظامیت سب کو اپنا ناچاہتے ہیں۔ اتفاقِ وقت کیے

کہ اب تک کسی میں مکمل نہیں ہو سکے۔

شاعر فرد ہیں۔ شاعر بھی ایسے جن کا مستقبل بہر عنوان روشن ہے۔ ظلم برداشتہ

مضامین اور فی البدیہہ اشعار لکھتے ہیں۔ سوچ کر کہنے لگیں تو اپنے اقبال کے لئے خود آفتاب بن جائیں۔

نئے رجحانِ ادب کے باوجود شریفانہ لب و لہجہ انہیں ہر جگہ مقبول بنا دیتا ہے

باتیں دلوں میں اتر جانے والی کرتے ہیں۔ ان میں منافقت شامل نہیں ہوتی۔ اسلم لکھنوی

جیسے گم کردہ راہِ خضر کے رفیقِ سفر ہیں۔ خدا ان دونوں کی حالت پر رحم کرے۔

اسلم لکھنوی بلا مبالغہ اُستادِ فن ہیں۔ قدرتِ کلام نصیب ہے۔ لیکن نہ خود

اُبھر کے اور نہ اپنے متوسلین کو اُبھرنے دیا۔

میں نے بار بار نپید و نصبت کے حال بچائے۔ مگر یہ آہوئے غلامِ خرام قابو میں نہ آئے

خود پر نہیں تو کم سے کم اُردو ادب پر احسان کر کے اپنے کمالات اور شاگردوں کی صلاحیت کو

اُجاگر کرنے کے جو وسائل اُسے ملے ہیں انہیں کو صحیح استعمال کرے۔

اقبال ان دنوں ادارہ فروغِ اُردو میں آبار لکھنؤ سے وابستہ کئے گئے ہیں۔

دور جدید ہفتہ وار اخبار بھی نکالتے ہیں جیسے علمی طبقتوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے
اس ادا سے سے اُن کی وابستگی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو
مائل بہ اصلاح کر لیا ہے میرے نزدیک یہی وابستگی انہیں کسی قابل بنادے گی

نمونہ کلام

ہزار جیف بوجھ شورِ دل باقی
مجھے مزاج تلون پسند نے مارا
نہیں کوئی ہو مری آنکھ بھیگ جاتی ہے
شور و فکِ دلِ دردمند نے مارا

کیفی - چند ولال

اجیر شریف میں قیام ہے۔ اردو لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے۔ لیکن ہندی رسم خط میں پر کیف شعر کہتے ہیں۔ کلام میں جان ہے اور تخیل میں زندگی۔ اخلاق میں شرافت اسلاف کا ٹھہراؤ ہے۔ کردار کی نئی گراؤ لوں سے پاک ہیں۔ جیتھان کی علمی دنیا میں بے حد مقبول ہیں۔ اردو ادب پر حقد ر ہندی کتابیں اب تک پھپی ہیں۔ ان کے مختصر کتب خانہ میں سب ملیں گی ہندو اور مسلمان کے جداگانہ ناموں پر سوچنے کے لئے ان کا ذہن کبھی تیار نہیں ہوتا۔ انسانیت کے بے ریا پرستار ہیں۔



سوزِ غمِ عشق کی فطرت میں ہے شامل لیکن
زندگانی کے ہر اک غم سے بچا لیتا ہے
میں اسی زخمِ دل و جاں کا ہوں قائل کیفی
لبِ قائل سے بھی جو دادِ وفا لیتا ہے

پرتاپ (داؤ دیال)

اورنی صنلج جابون میں وسکالت کرتے تھے۔ حضرت نوح ناروی اُن کی صلاحیت فکر کو پسند فرماتے ہیں۔ آتش محبت سینے میں اُسبھری تو دل و دماغ پر طاری ہو گئی اور دیوانگی کا راستہ دکھا کر رخصت ہو گئی۔ دصال دوست کی آرزو کرتے کرتے وصل حق ہو گئے۔

حضرت ریاض گو ایاری کے پاس اُن کا ایک مختصر سا مجموعہ کلام ہے۔

مثنوی کلام

نظر بچا کے گزرتے ہوئے سلام نہ کر
جدید قصہ محشر کا اہمیت نہ کر
نتیجے سامنے آنا اگر پسند نہیں
دل فریبی کو بھی شناسنے مقام نہ کر

تائش (مؤلف: فہیم الدین)

لال کرتی میرٹھ میں "بیکری" تھی۔ مولانا عبدالسمیع بیدل سے عربی فارسی پڑھی۔ اور انہی سے مشورہ سخن کیا۔

دلہنی سلسلہ میں بیعت تھی۔ "زرد اہرام" چوبیس گھنٹے زیب تن رہتا تھا گدھے مکینٹر کے میلہ میں بسکٹ کی دوکان لیکر گئے اور وہی فرقہ وارانہ فساد میں شہید ہوئے۔

پرسوز ترنم۔ اندازِ کلام۔ جاذبِ قلب ہوتا تھا۔ مولانا ندرت جیسا صاف گو نقاد فن انہیں اچھا شاعر کہتا تھا۔ یہی تائش کی سب سے بڑی سند ہوتی ہے۔

نمونہ کلام

بام پر جلوہ نما جب ریحِ جاناں ہوگا
شعلہ طور چراغِ تہِ داماں ہوگا
بیرے کوچہ میں جو نالائش بچہ ہوا
میں نہ ہوں گا وہ کوئی اور مری جاں ہوگا

کڑپ (برج بہاری)

جواں مرگ - ایثار پیشہ - اور صاحبِ عزم شاعر وطن کوثر میرٹھی مرحوم کے
 با وفا شاگرد ہیں - اپنے آپ کو کمترین ادبِ فن خیال کرتے ہیں - اعلیٰ معیارِ تعلیم کے
 باوجود قابلیت کی نمائش نہیں کرتے - عشق کی گہری چوٹ دل میں رکھتے ہوئے
 بھی ہونٹوں کا تبسم کا بیابا پردہ ماز ہے بسلمہ میں پولیس کے لاکھی چارج سے
 زخمی ہوئے تو فی البدیہہ قطعہ کہا -

اے جفا پیشہ سکر - دشمنِ اہلِ وطن
 لاکھیوں کی جوٹ کیا ہے گولیوں کی وارد
 پچھ لوں تجھ سے مزاجِ نظرتِ جوہر دستم
 وقت میرے ہاتھ میں اکھن اگر تیار ہے

تاجور بلرام پوری

بلرام پید جائے اقامت تھی۔ کانپور کے کسی محل میں ملازم تھے۔ ملک کانپور ہوتے ہی لاہور چلے گئے۔ وہیں محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر ہیں۔ مولانا شائق کانپوری کو کلام دکھاتے تھے اس وقت حسین بیان کی نعمت سے مالا مال ہیں۔

نمونہ کلام

وہ بد نصیب گلستاں میں دائے نامی
چمن کو ہم نے بہاروں میں خیر باد کہا
اسے تعلق خاطر کہیں کہ پاس وفا
تڑی جفا کو بھی اپنی وفا کی داد کہا

توقیر رام نگر کی پنڈت دوارکانا تھک

پنڈت دوارکانا تھک توقیر کا فاندان صدیوں سے رام نگر میں آباد ہے۔ کثیر اُن کے اجداد کا اصل وطن تھا۔ یہاں وہ کب آئے تھے۔ تاریخی طور پر اس کا علم مشکل ہے۔ توقیر ہمہ تن زندگی۔ مکمل اخلاق اور سرباپا ننگی تھے۔ موسیقی کے شوق نے شاعری کا ذوق بھی دیا۔ شاد عظیم آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ لکھنؤ۔ دہلی۔ اور رام پور کے ہر اسکول آف آرٹ پر عبور کے بعد اُن کا خیال تھا کہ زبان دہلی میں پیدا ہوئی۔ لکھنؤ میں جوان ہوئی اور رام پور میں گھر آباد کیا۔ وہ زمانے تھے کہ غالب۔ داغ اور امیر اپنے اپنے مقامات پر شہرت کے مالک نہیں تھے۔ رام پور ہی نے انہیں زمانے سے روشناس کرایا۔ گھر میں کسی کی عزت ہو تو باہر آبرو کا علم یقیناً بلند ہوتا ہے۔ اپنے استاد سے وکی دکنی مرحوم تک کسی بزرگ کا ذکر کرتے وقت وہ گلاب سے زبان دھو لیتے تھے۔ خوش عقیدگی کی یہ مثال شاید اکیلی ہی ہے۔ ملک محمد جالسی کی پدموت۔ تلسی داس کی رامائن۔ دیوان غالب انبال کی روزی بے خودی۔ بکلیات حسرت۔ جذبات فانی۔ عرفانیات اصغر کو وہ عبادت کے طور پر پڑھتے تھے۔

حکیم نادر مرحوم دہلوی مقیم بنارس کے یہاں میری ضد پر چند اشعار لکھے سنائے
ملکہ میں انتقال فرمائے۔

نمونہ کلام

اُن کا جانا ہے کون ان میں روز مرتے تو میں مرنے والے
پاس فن بھی ہے توقیر لازم ہیں کہاں قدر فن کرنے والے

تصویر اورنگ آبادی (رام ناتھ ریڈی)

رام ناتھ ریڈی اورنگ آباد دکن میں مصوری کے ذریعے زونٹی کمانے تھے جہاں
خاجہ گیسو دراز کی خانقاہ میں علی الصباح حاضر ہو کر اپنے عقیدے کے مطابق اظہار عقیدت
کرتے تھے۔ اور پھر دوکان کھولتے تھے۔

شاہ تراب علی دہشتی امر دہوی سے حیدرآبادی ملاقات ہوئی۔ اُن سے اصلاح
شرکاء وعدہ لے کر غزل کہنی شروع کی۔

مئے دے خانہ کی جانب راغب نہ تھے۔ مگر آنکھوں کی مستی بے پے خمارِ شراب
کی غمازی کرتی تھی۔ حضرت جنیل مرحوم کے یہاں کبھی کبھی مشاعرے میں شرکت فرماتے
تھے۔

نمونہ کلام

زر خیز دگر سامان منظر سے الگ رہ کر
درویش صفت گذرا ہر دورِ حیات اپنا
ہندو ہوں مگر فحجہ کو تصویر یقین یہ ہے
اک نعت کا مجموعہ ہے وجہ نجات اپنا

ثروت رضوی (سید ثروت حسین)

حکیم سید ثروت حسین رضوی۔ بیرزا دھکانِ اردوہ میں اپنی وضع کے منفرد انسان ہیں۔ کلندرانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ گفتگو کا لہجہ پرشکوہ ہے۔ لیکن وہاں نوازی کے معاملہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ قوی تقریبات میں کانگریس کے سرگرم کارکن ہیں۔ اب گوشہ نشین ہو کر علمی مطالعہ میں وقت بسر کرتے ہیں۔ کوئی عزالی آنکھ سامنے آجائے۔ ثروت بھائی اپنا دل اس کی مستیوں میں جذب کرنا فرض سمجھیں گے اسی چمکے نے شاعر بنا دیا۔ مصحفی اردوہی پر تحقیق کا نصب العین سامنے ہے کافی کام بھی کر چکے ہیں۔ خدا کرے عاشق مزاجی اس اہم کتاب کو مکمل کرنے کی اجازت دیدے

ثروت کلام

تری نگاہ کی مستی تری نظر کا فسوں
سمٹ کے آگئی ساری بہار آنکھوں میں

تائیر کشمیری

آئندنا تھہ ملہوترہ سیالکوٹ کی ان جنتی فضاؤں میں ابھرا ہے۔ جن کو کشمیر کی ہمسائیگی ہمیشہ جوان رکھتی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ ناپا نادر زبیدی کے اثرات نے جموں میں قومی کے کنارے ابدی آرام کی تلاش میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ چھوٹا سا اک جھونپڑا ان کا رتیق سحر و شام تھا۔

جب نسیم سحر کے لطیف جھونکے کائنات میں تحلیل ہو کر طائرانِ نواسنج کو درخت ساز دیتے تھے۔ تو آئند بھی اپنی آتما کو دائمی آئند سے ہم کنار کرنے کی خاطر ستارہ کی دھنوں میں جذب ہو کر جاتے تھے۔ دہپہر تک موجوں کی بے تابی اُن کے تاروں کو مفراب کے ٹکھوں بیتاب رکھتی تھی اور وقت کا رخ بدلتے ہی وہ ان تاثرات کو دعا میں جمع کرنے کے لئے لیٹ جاتے تھے جنہیں ستارہ کے باہر کی دنیا منتشر کئے ہوئے تھی۔

دھیرے دھیرے شام کا بڑھتا ہوا اندھیرا۔۔۔ انہیں جیون کے آفتاب کا منتظر عذوب دکھانا تھا اور وہ شام "کلبان" کا سہارا لے کر موت کا انتظار کرنے لگتے تھے۔ اُن کے لدھانی اعصاب میں موت سے ٹکرانے کی قوت پل رہی تھی۔

خواجہ حانظ کا دیوان ڈوبتے تاروں کے آخری درشن تک اُن کے سامنے رہتا تھا۔ اس خوش اذقات زندگی کے نظامِ محل میں کبھی کبھی "شعر و شاعری" کا فلسفہ تخلیق بھی انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ اور وہ دھیمے مردوں کی وہ راگ الاپتے تھے جسے غزل کہنا کسی طرح غلط نہ ہوگا۔ چو دھری نور دیکھیں جو جوتوں میں اُن کے نخلص دوست تھے۔

میں کسی پاپی کی انسانیت شکن تلوار سے شہید ہوئے تو اُن کی موت کا حال سُس کر آئند کے دل کی حرکت بند ہوگئی اور وہ محبت کا سچا حق ادا کر کے دہاں پہنچ گیا۔ جہاں ابدی

راہیں اُس کے انتظار میں نہیں۔

نمونہ کلام

نہ مجھے خود کی ہے جستجو نہ مجھے جنوں کی تلاش ہے
ہے اجل بھی جس کی تلاش میں مجھے اُس سکوں کی تلاش ہے

وہ بیابانی زندگی ڈھونڈتا ہے
بقا کی نئی روشنی ڈھونڈتا ہے

سکوں بخشوے جو مذاقِ طلب کو
فنا کے اندھیروں میں تابیرا تک

تقی برہانپوری

بجز رامگزاروں میں اگر کوئی پھول گل آتا ہے تو ہر ایک راہگیر کی نظر اس کی جانب اٹھتی ہے۔ تقی کے اسلاف پہلے برہان پوری تھے۔ پھر بے پوری ہوئے اور میلوں تک ریت سے گھرے ہوئے ایک گاؤں میں متوکل زندگی گزارنے کا ارادہ کر کے رہ پڑے۔

تقی بچپن میں ہی پدری سلسلے سے محروم ہو چکے تھے۔ والدہ نے رزی کاغذ کے کھلونے بنا کر ان کی پرورش کی اور دیہاتی بساط کے مطابق مناسب پڑھنے لکھنے کا انتظام کیا۔ اچھی ماں کی گود بچے کو اچھا بنا دیتی ہے۔ تقی کی والدہ اُسے کبیر کے دوہے سنایا کرتی تھی۔ ابتدا سے شعور ہی سے اُس نے اپنے کانوں کو روح کی اس آواز سے مانوس کر لیا تھا جو کبیر کے منہ سے نکل کر اس کی والدہ کے دل میں جگہ پیدا کر چکی تھی۔ کبھی کبھی چاند کی ٹھنڈی روشنی میں وہ پنجرے کے بھرے ہوئے صفحات پر زندگی کے نقوش ڈھونڈنے چلا جاتا تھا۔

اُس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں کبیر کے دوہوں کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ اچھا خاصہ شاعر ہو گیا۔ اگر شباب ہی میں ٹوٹے بھونکے ایک دن اُس کے سلسلہ حیات کو ختم نہ کرتے تو وہ بوڑھا ہو کر اپنے زمانہ کا بلند پایہ شاعر ہوتا۔ کاشی پور میں ماں بیٹے کے نام سے دونوں کا مزار موجود ہے۔ شاہ محمد عمر کاشی پوری دکیل جو دھپور کی معرفت اُس کا یہ متعجب کلام بھی دیکھنے کو ملا۔

نمونہ کلام

خدا کو میں نے جہاں بے نقاب دیکھا ہے
میری نگاہ نے رقصِ شراب دیکھا ہے

یہ رہگزار یہ جنتِ بدوش چاندنی رات
قدم قدم پہ نظر کے نگار خانے میں

جین - اجیت پرشاد

سکونت بہارن پور میں ہے۔ - حکومت ہند کے وزیر غذا ہیں۔ سن ۱۹۳۷ء سے مسلسل جدوجہد آزادی کے نمایاں جاننا رہے۔ وکالت کے زمانے میں مذاق شعر و ادب شباب پر تھا۔ اب شعر سننے زیادہ ہیں۔ کہتے بالکل نہیں۔ مشاعروں میں بے حد دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ نہایت صاف گو مگر کریم الاخلاق۔ امکانی حد تک کسی کی خدمت سے گریز نہیں کرتے۔ دماغ میں ناہائز رعایت کا خانہ نہیں جس بات کو اپنی دیانت کی روشنی میں درست سمجھیں گے۔ اُس کی حمایت فطرت ہی جائے گی۔

• کانگریس کے اصول پر دہلے میں اُن کی کافی عزت ہے۔

نمونہ کلام

کیا بختِ نارسا کی شکایت سے فائدہ
جب سامنے ہو کوئی ہمدردِ غمگسار

بگڑا ہوا نصیب سنوارو تو بات ہے
یوں بھی تم ایک رات گزارو تو بات ہے

جمال بھارتی

عبدالشکور نام ہے۔ اوجھاری ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تکیں علوم کی۔ علیگڑھ سے بی ائی اسکول پاس کیا۔ عرصہ دراز تک صحافتی ذمہ داریوں کو قابلیت کے ساتھ پورا کرتے رہے۔ نثر و نظم دونوں پر یکساں جوہر قلم دکھانا ان کے کمالات میں شامل ہے۔ زیرک اور سنجیدہ انداز میں غزل کہتے ہیں۔ شعر میں ان کا اپنا فکر ہوتا ہے۔ تقلید عام عادت میں داخل نہیں۔ حوادث روزگار سے برسرِ پیار رہ کر زندہ ہیں اور مردانہ وار دیر تک زندہ رہنے کے آرزو مند ہیں۔ کلام کی بلندی حیات کی عظمت کا پتہ دیتی ہے۔ لبیک زمانے میں فکرِ ندوی بھی نخلص کرتے رہتے ہیں۔

نمونہ کلام

اُنھیں جب بھی اپنے ستم یاد آئے
خدا کی قسم پہلے ہم یاد آئے
جہاں بھی کسی نے کیا ضابطہ گر یہ
ہمیں اپنے دامانِ ستم یاد آئے

چمن - رامیشور داس

زندگی باغِ دبہار ہے۔ تخلص کا اثر کلام پر بھی ہے۔ وہ ٹی کاٹن طرز میں ملازم ہیں۔ ہندی لٹریچر کا مطالعہ گہرا ہے۔

ہندوستان سے والہانہ محبت جنوںِ عشق کی حد تک ہے۔ اُردو پڑھی نہیں سنی ہے۔ ہندی رسم خط میں اُردو کی کامیاب غزل کہتے ہیں۔ وہ الفاظ کی تلاش نہیں بلکہ الفاظ خود ان کی جستجو کرتے رہتے ہیں۔

جوانی کا سن ہے مگر شعور اور جذبات کا تجربہ بڑھاپے کی حدود میں داخل

ہو رہا ہے۔

سلسل کہتے رہے تو اپنے معاصرین کے لئے رہنما ثابت ہوں گے۔

نمونہ کلام

چمن چمن ترے جلوے پکارتے ہیں مجھے

نظرِ نظریہ نظارے سنوارتے ہیں مجھے

سیفینے ڈوب کے جن میں ابھر نہیں سکتے

کبھی کبھی وہی طوفان اُبھارتے ہیں مجھے

چاند - چاند نرائن

پنڈت شو نرائن شمیم کے پوتے سر تیج بہادر آنجنہانی کے
 داماد اور علامہ اقبال مرحوم کے تہہ نشاگرد ہیں۔ ادب نواز -
 فن پرست اور علم دوست فقہ میں "چاند" نے جنم لیا۔ ادبی صلاحیت مکمل کی اور
 اہدیت آشنا ہو گئے۔

رنگ اقبال طبیعت پر غالب ہے۔ کلام میں خیالی آرائی۔ معنی آفرینی رفعت
 رنگینی اور شوکت بیان کا ہر وصف موجود ہے۔

پنجاب میں آج کل ڈپٹی کشن ہیں۔ فارسی اُن کے گھر کی لونڈی ہے۔ کتھیر کا
 حسن زبان و اخلاق ورثہ میں ملا ہے۔ شاعری اُن کے گھر کا علم ہے۔ اُردو گھر کی
 زبان ہے۔

پنڈت ہری چند اختر کو ان کے کافی شعر یاد تھے۔ اُنہیں کی وساطت سے
 یہ چند نمونے ملے۔

خرد جنوں کی لطافت کا راز پانہ سکی
 وہ ایک گوشہٴ وحشت میں بھی سما نہ سکی

جہدِ ہستی کا تقاضا ہے یہی کارِ مرد ز بفر دار گلزار

حشمت اکبر آبادی

مولانا گلشن پیر سرحدی کی صاحبزادی خیر النساء "حشمت" اگرہ کے ایک اسلامی
زنانہ مدرسہ میں معلمہ تھیں۔ علامہ سیاب اکبر آبادی مرحوم سے اصلاح لیتی تھیں حشمت
پردہ کی بہت پابند تھیں۔ کسی نامحرم نے کبھی آواز بھی نہ سنی ہوگی۔
میرے چچا سید عزایت حسین صاحب عدالت فوجداری میں پٹنیا رہتے۔ کڑھ
مداری خاں میں مکان تھا۔ اُن کی صاحبزادی سے حشمت کے اچھے مراسم تھے اُن
کو خطوط میں کبھی کبھی اپنے اشعار بھیجتی تھیں۔

نمودِ کلام

حسن سیرت نہیں تو زیست ہی کیا
عشق کی آبرو پر مرقی ہوں
ایک منزل ہے ایک راہ جیات
گو بے راک راہ سے گذرتی ہوں

حامد لاہر پوری

لاہر پور۔ ضلع سیتا پور میں بہت مشہور قصبہ ہے۔ وہاں جنوری ۱۹۰۱ء میں پہلی مرتبہ حامد نے آنکھ کھولی۔ رسمی درس و تدریس کے مراحل سے گذر کر مشہور ادب کی راہوں پر بھی سفر کیا۔ جنگ آزادی کے نشہ پسند طبقہ سے تعلق نے عمر طبعی کو پہنچنے سے پہلے ہی دق میں مبتلا کر دیا اور دو سال علیل رہ کر اسی ماحول میں غائب ہو گیا جہاں کی کوئی چیز اس عالم میں نظر نہیں آتی۔

نمونہ کلام

بار بار جس حسیہ ذلیل ہوا
شوقِ دل لے گیا وہیں مجھ کو
کنجِ مرقد ہو یا بہشتِ بریں
موتیہ نہنچا بھی دے کہیں مجھ کو

خوشتر - جگن ناتھ

مثال لال نامی لکھنوی - کنگھی ٹولہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اُن کے بڑے صاحبزادے کا نام جگن ناتھ خوشتر تھا۔ واجد علی شاہی دور کے ڈپرک اور مایہ ناز شاعر تھے۔ غزلیں کم اور مثنویاں بہت زیادہ لکھیں۔ رامائن کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ ۱۲۲۵ء میں پیدائش ہے۔ تاریخ وفات نہیں معلوم ہو سکی۔ طبیعت شگفتہ اور سلجھی ہوئی پائی تھی۔ علمی اور ادبی ماحول نے نظرت کو سنجیدہ نگاری کے سانچے میں ڈھالی دیا تھا۔ ان کی منظوم رامائن کا ایک تالی نسخہ کتب خانہ نواب سالار جنگ حیدرآباد دکن میں نظر سے گزرا تھا۔

نمونہ کلام

پسین کردہ قمر و ناز پرور لب شیریں سے بولی مسکرا کر
کہ امشب تیرا بختِ خفتہ خوشتر ہوا بیدارِ شکلِ ماہِ اختر

۱۰ اشعار معائنہ واجد علی شاہ صاحب اختر

ذاکر - ڈاکٹر ذاکر حسین

اپنے علم - بصیرت - اخلاق - اور سیاسی وقار کے لحاظ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جامعہ ملیہ میں رہے تو اُسے دوامی زندگی کے قابل بنا دیا۔ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے تو ماضی کی تمام تلخیاں بھلا کر علیگڑھ کو علیگڑھ بنا کر خوش رہے۔ ہر نقطہ خیال کا آدمی اُن سے مل کر طمانیت قلب محسوس کرتا ہے۔

آج کل صوبہ بہار میں گورنر ہیں۔ دردِ ملتِ قلب کی رگ رگ میں بہنا ہے وطن کے سچے اور عظیم شیدائی ہیں۔ آج کے دور میں اگر انسان کی تلاش لی جائے تو ذاکر صاحب کو دیکھ لینا کافی ہوگا۔

اُن کے ایک قریبی دوست سے چند اشعار مل سکے۔

نمونہ کلام

مانا ہجوم درد بھی ہے حسرتِ زندگی ✓
 پر کیفِ زندگی نہ سہی زندگی تو ہے
 لاشد اس کے ذکر سے نفرت نہ کیجئے
 ذاکر شکستہ حال سہی آدمی تو ہے

راہتی معصوم رضا۔

غازی پور مسکن ہے۔ ترقی پسند شاعروں میں با وقعت سمجھے جاتے ہیں۔
رزمِ آزادی میں شریک رہ کر قربانیوں کا حق ادا کیا۔ "کیونہنزم" علم اور
عمل دونوں پر طاری ہے۔ احساس لطیف اور قوتِ فکر پاکیزہ ہے۔ آزاد نگاہیں
زیادہ لکھتے ہیں۔ غزل کا ایک شعر مجھے بہت پسند ہے۔

پلٹ کر تمہیں بے وفا ہم نہ کہدیں
چلے ہو ہماری وفا آ زمانے

ہراک شگونہ صبح سے انتظار میں ہے
نسیم کیسے گزر جائے گی چرا کے بدن

رعنا گلشن رائے

کنکھل - ضلع سہارن پور میں پرائمری درجہ کے بچوں کو پڑھاتے تھے۔ مولانا عزیز سہارن پوری کے شاگرد تھے۔

فارسی نظم میں چاروں دیدوں کا ترجمہ کیا۔ لاہور کا کوئی کتب فروش طباعت کے لئے لے گیا۔ جب تک زندہ رہے ان 'چکر پاروں' کا ترجمہ کرتے رہے۔
مسئلہ میں جب جو الایور میں آتشِ نفرت نے فضاؤں کو شعلہ ریز کر دیا
انہوں نے غریب مسلمانوں کی زندگیوں کو اس آگ سے محفوظ رکھنے میں اپنا خون
پیش کیا۔ جن تک شراقتِ سرشتِ انسان رہے گی ان کے مقدس لہو کا ہر قطرہ
'آدم دوستی' کا کلیاں ریاضِ وطن میں کھلاتا رہے گا۔

منوۂ کلام

حرم والوں میں ہے چرچا بتوں کی خود نمائی کا
مسلمانوں خدا حافظ ہے اب ساری خدائی کا
سنا ہے مے کدہ میں کل بڑی مستی میں تھے رعنا
بہت دعویٰ کیا کرتے تھے حضرت پارسائی کا

راز۔ سراج الدین انصاری

مومن پورہ ناگیورہ میں سوت کی رنگائی وسیلہٴ معاش ہے۔ بھیدگی قدرت سے زیادہ مزاج پر چھا گئی ہے۔
 مولانا ناطق گلکھوڑی کے شاگرد ہیں۔ پہلے زاہد خشک تھے۔ اب رنگین طبیعت مگر پاکباز انسان ہیں۔

زبانِ داغِ مرغوب ہے۔ شعر کجی اسی لب و لہجہ میں کہتے ہیں۔ چند دنوں تک مرزا جعفر علی خاں اثر اور شعور بریلوی کے درمیان جو کشاکش الفاظ و معانی ”بھکار“ میں نظر آئی ہے۔ اسے مستقبل ادب کے لئے عنایتِ فال سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ اس قسم کی بحثوں میں اگر ذانیات کا محاذِ جنگ نہ تعمیر کیا جائے تو اچھا ہے۔ شعور بریلوی کو ”عروض“ کا جامع فن کار مانتے ہیں۔ لیکن آخر صاحب کی حقیقت میں اس اعتراف حقیقت سے فرق نہیں آنے دیتے۔ کلام صاف۔ عمدہ اور دلچسپ ہوتا ہے۔

نمونہ کلام

عادتوں سے ہزار کھیل مگر کشتہ تیغ حادثات نہ ہو
 دل پہ اوروں کے جوگراں گزرے آشنائے زباں وہ بات نہ ہو

سرخوش - آغا قزلباش

شیر علی نام - سرخوش تخلص - افسر الشعراء حضرت شاعر دہلوی کے فرزند اچھند ہیں۔ زندگی متین - مزاج سنجیدہ - مگر کلام میں شوخ انداز بیان کی دلچسپیاں موجود فکر و فن دونوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ دہلی سے کراچی گئے تو وطن بھی آبار و اجداد کی زبان کے ہونہار وارث اور لائق ستائش شاعر ہیں۔

مطالعہ کی مدد سے خیالات کو عروج آستانا کر دیا ہے۔ جتنگ زندہ رہیں گے زبان کی نفاست جزو کلام رہے گی۔

نمونہ کلام

اے حسن میر طور تری لاج رکھی تھی
 ورنہ دل موٹی کا کوئی ظرف نہ تھا کیا
 بے حکم جب اس کے کوئی پتہ نہیں ملتا
 ہوتی ہے گناہوں میں بھی تائید کی

ساتر صدیقی

شعر کی لطافت - نغمگی کی جاذبیت اور غلوں میں محبت جیسے محاسن انسانی کا
 مجسمہ ہیں۔ جالندھر سے گردشِ ایام نے جھنگ (پاکستان) پہنچا دیا۔ سیرت کا
 تقدس صورت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مدنیاب اور پارسائی کا دونوں اُنہیں کے
 طرزِ حیات تھے۔ اُن کا کلام سن کر سامعین کے قلوب آہ اور ہونٹ واہ کرتے
 پر مجبور ہو جاتے تھے۔

بجبر مشاعروں میں لائے جاتے۔ گوشہ نشینی کا مرض خدا معلوم کیوں
 لاحق ہو گیا اور اب ایک سال پہلے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

نمونہ کلام

اے وطن پھر ترا کہاں ہوں :- پھر مجھے اپنا نشان یاد آیا
 خائب و بیسر کی دلی دیکھی آشفقہ مراں یاد آیا

تلاشِ دوست میں جب سے چلے ہیں
 نہ شام آئی نہ سائے ہی ڈھلے ہیں

سلیم گفتو لوی

ماں - باپ - بہن اور بیوی کی آنکھیں بھی بے نور ہیں۔ خود بھی نابینا ہیں بنگلہ
کی تحریک آزادی میں پولیس کے لاکھی چارج میں موت کے قریب پہنچ کر واپس آئے
افلاس و غربت کا عالم ناقابل بیان ہے۔ محترم کنور عہدہ سنگھ صاحب سیدی سحر کانی
خبرگیری فرماتے ہیں۔ ننگلی اور شاعرانہ خوش خوش فکری ہم آہنگ ہو کر انہیں شاعروں
میں باعزت بناتی ہے۔ سجد سنگھ المزاج انسان ہیں۔

سنگھ میں پر جوش منظر سے نوجوانوں کی روحوں کو گرمایا۔ "اندھا ہونا"
قید با مشقت سے بچاتا رہا۔ لیکن غمِ شدید سے کبھی نہیں بچے۔ حافظہ بلا کلمہ۔ ہر
غزل از بر یاد رہتی ہے۔

نمونہ کلام

دور روزہ عمر فانی میں زرد مال و جواہر پر
جو عالی طرف ہوتے ہیں وہ اترا یا نہیں کرتے
مجھی کو ساتھ لے لو گر کوئی ساتھ نہیں ملتا
اکیلے محفلِ اخبار میں جایا نہیں کرتے

ساتھی - میر عبداللہ

محمّی - ضلع لکھنپور میں مقام تھا - اُن کے آباء کا شجر علاقہ ترکستان سے آکر
نیپال کی ترائی میں بس گئے تھے - زندگی درویشانہ تھی - عمل مجاہدانہ ۱۸۵۷ء کی
جنگ میں انگریزوں سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے - مولانا فضل حق
خیر آبادی کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی - منطق کے متبحر عالم تھے - فارسی - عربی
مذہبی اور اردو زبان کے ادبی مزاج سے مکمل آشنا تھے

نواب تندرہ راخاں سابق فیجریاست ناپارہ کے گرانمایہ کتب خانے میں
ان کے مثنوی "اعلان جہاد" موجود ہے - جس میں انہوں نے حب وطن کے قابل تقلید
عزائم کا اظہار فرمایا ہے -

نمونہ کلام

اے ہند کی آنکھ کے ستارو	اے باغ وطن کے نو بہارو
تصویر مزاجِ حسینِ رضواں	یہ رشکِ بہشتِ خلدِ ساماں
افرنگ کے دام سے نکالو	مرجامٹ مگر اسے بچالو

سچ کن - ٹیکارام

تشدد پسندانہ جدوجہد آزادی کے نوجوان رہنما رہے۔ بریڈ ٹاٹا ہال لاہور
سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تقسیم کے بعد ہندوستان آئے اور آج کل جالندہر
میں مقیم ہیں۔ قید خانے سے مدتوں محبت رہی۔ آدایز سکول پر مصرعے موزوں کر کے
نوش ہوتے تھے۔ آئین قدرت نے سوزِ دل - سوزِ جاں اور سوزِ عمل تینوں عطا
کئے ہیں۔

نمونہ کلام

اگر کمال ہے عزمِ فاتحانہ
زمانے سے نہ خائف ہے مراد
بناؤں گا قفس کو آشیانہ
مری ٹھوکر کی زد پر ہے زمانہ

سہتا - احمد مجتہدی

بھوپال وطن اور مدفن ہے۔ یونیورسٹی بننے سے پہلے جلیگڑہ میں تعلیم پائی
طالب علمانہ دور ہی سے شعری ذوق دماغ میں ابھرا اور ایک درد جیات بنکر محور
زندگی بن گیا۔

اردو کے ان دو چار شعرا میں سے تھے جن کی البدیہ شعر کہتے تھے جس کے
لئے خاتمہ اصلاح کی ضرورت نہ ہو غزل ان کے شاعرانہ تخیل کا صحیح میدان تھی۔
دانش و فکر کی ہم آہنگی سے نہایت لطیف اور خواص دعوام دونوں کے لئے روح نواز
شعر فرماتے تھے۔

نمونہ کلام

یہ سجا کہ خلوتِ دل میں تو ہے ہزار رنگ سے جلوہ گر
مگر آگے سامنے بیٹھ جا کہ نظر کو خوئے مجاز ہے
مجھے ہاں جنوں ہے۔ مگر ذرا سیر بزمِ عام نہ چھیڑنا
کہیں لوگ یہ نہ لکھماں کریں کہ تری ہنسی کوئی راز ہے

ساجد بریلوی

حافظ رحمت خاں روہیلہ کی اولاد ہیں۔ ساجد نامی ایک ایسا نوجوان بھی تھا جس نے خاندان کے مزاج شجاعت کو شاعرانہ رکھ رکھاؤ کا حامل بنا دیا۔ اگر زندہ رہتا تو آج کا ادب رشکِ عرفی و فخرِ غالب کہتا۔

بریلی کے مشہور حکیم مولانا مختار احمد صاحب نے اُن کے چند شعر سناتے ہوئے فرمایا کہ ساجد نے نقائیں امروز ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ جس میں موجودہ دور کے شعروادب میں جو خامیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن کی نقاب کشائی کی تھی۔ یہ کتاب اگر چھپتی تو ضرور کہیں نہ کہیں نظر آتی۔ خدا جانے کس کے ہاتھ لگی اور کیا ہوئی۔

نمونہ کلام

فلک پیر کے ہر رنگ کو پہچان لیا میں نے ہر نقشِ تغیر کو خدا مانا

آشوبِ دہران کا عکسِ نگاہِ دہر ہوں جس پہ ہریاں اُسے محشرِ غم نہیں

سرمد میرٹھی

مشہور اعلیٰ شاعر کوثر میرٹھی کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ ادنیٰ پکڑوں کی زندگی ذریعہ معاش ہے۔ پتلا دہلا جسم۔ آواز ہمیں۔ لباس سادہ۔ طبیعت خاموش۔ عمر لگ بھگ ۳۰ سال ہوگی۔ مگر کلام میں بیدار تخیلی ہے۔

معاصرین میں گراں قدر مرتبہ رکھتے ہیں۔ اپنے خالو جنر صاحب سے اصلاح لیتے ہیں۔ ہلکے ہلکے ترقی پسند ہونے کے باوجود پڑانے اور باب فن کا احترام کرتے ہیں۔ تنقیدی مطالعہ وسیع ہے۔

مقدمہ نویس تنقید نگاروں سے خوش نہیں ہیں۔ ہر دور شعر کے ممتاز شعراء کا منتخب کلام یاد ہے۔ آج کے ترقی پسند ادب کو اسی حد تک پسند کرتے ہیں جہاں تک زندگی کی داخلی تحریک کا باعصمت دخل ہے خارجی تاثرات کی ترجمانی کو سیاسی تبلیغ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا خیال ہے کہ محبت غیر فانی اور پائیدار ہے اس لئے اس کا ہر تخیلی خوادہ شر کے پیرایہ بیان میں ڈھالا جائے یا غزل کا رنگ اختیار کرے جاوداں رہے گا۔ سیاست وقت کے ساتھ تغیر پذیر ہوتی ہے۔ تغیر کا حادث ہونا مسلمات میں سے ہے۔ اس لئے ترقی پسند حضرات کو اپنی مجلسوں میں یہ مشورہ دینے میں بے باک ہیں کہ سیاست کے ضروری اور وقتی اجراء کی ہم آہنگی کے بعد غزل کی ابدی افادیت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔

مشاعروں میں اس لئے نہیں جاتے کہ غیر شاعروں کی غیر نظری۔ صوتی آثار چڑھاؤ سے ان کو نفرت ہے ان کے نزدیک اچھے شاعر ان دنوں ناقد روانی زمانہ کے اسیر ہو کر آواز کے بل پر شاعرے میں مقبولیت پھیل کرنے والے نام نہاد

شاعروں کے لئے اُجرت پر غزلی لکھنے کے اجیر بن گئے ہیں۔

نمونہ کلام

زندگانی کے ہر اک موڑ پہ سسڑ میں نے
راہ زن راہ سناؤں کی صفوں میں دیکھے
”پُر فریب“ آج کے ماحولِ حسینا کے قریب
دشمنِ عشقِ اداؤں کی صفوں میں دیکھے

آہ یہ دورِ مرگِ فن کہ جہاں
خاکِ زندگی تو ہے لیکن
نغمگی تیسرے شاعری کم ہے
عالمِ حسین زندگی کم ہے

ساغر۔ مبارک

ڈیرہ خازی خاں کے کرت لب پہنچنے نے اُردو زبان کے اس شیریں اندازِ ملامت کے مارک کو کیوں پیدا کیا۔ کاش کوئی محقق اس طرف توجہ دے سکے۔ علم و عشق کے تضادِ عمل نے مبارک کی ہر ساعتِ حیات کو گردشِ ایام کا گہوارہٴ تجربات بنا دیا تھا۔ ہر نفس ایک نئی الجھن اُسے دورِ فلک سے انتقام پر اکساتی تھی۔ ٹکراؤ آسان نہیں اس جنگ میں بڑے بڑے باہمت ناکام ہو کر زندگیوں کا ساتھ پھوڑ گئے ہیں۔ علم مصلحت کوش ہوتا ہے اور عشق بیباک۔ مصلحت اور بیباکی میں بعد المشرقین ہے۔ جب تک وہ کالج میں تھا علم کی زیادتی فلسفہٴ عشق کے انکار پر مُصر رہی۔ مگر جب مشیت کے کسی نظرِ زاہد ساحر کی نظروں کا جادو اس کے سر پر سوار ہوا تو علم کے تمام مفروضات اُسے باطل نظر آنے لگے اور وہ علم کو انسان اور اس کی حیات کے درمیان آہنی دیوار سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ علم نے ہمیشہ عشق کے آگے سپر ڈالی ہے۔ مبارک پر عشق غالب ہوا تو علم کی بے وقعتی اس کا فطری تقاضہ تھی۔

دریائے سندھ کے ساحلِ حسنِ جنر پر اس کا دومان اُنگڑا لیاں لبتا ہوا اس قدر پھیلنا کہ خود مبارک کی زندگی اس میں جذب ہو کر رہ گئی۔ اُس نے اس بادۂ عاشقانہ کے نشہ میں چور ہو کر جو کچھ کہا غزل کے سوا۔ کوئی دوسری صنفِ سخن اُسے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

نمونہٴ کلام

علم اک گوشہٴ فیضانِ نظر ہے جس کا
عرش خود جادوہ آغازِ سفر ہے جس کا

زندگی عشق سے پاتی ہے وہ تیکینِ دوام
عشق وہ مائل پرواز ہے سوئے افلاک

شمسی - خورشید عالم

قاضی سر لے نگینہ، ضلع بجنور واپن ہے۔ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے شعور ہی سے مذہب و سیاست کا بلا جلا امتزاج زندگی پر اثر انداز ہوتا تھا۔ ۱۹۳۵ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ بقول خود

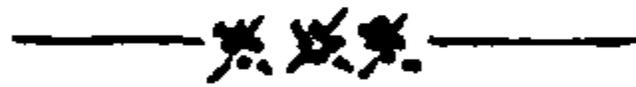
بے مجھ سے روح غالب مرحوم مہکلام کرتا ہوں استفادہ شمسی اپنی ہے
 غالب کا اگر مطالعہ ہر وقت جاری رہتا ہے۔ کم کہتے ہیں مگر خوش اسلوبی اور
 بلند مذاقی کا دامن نہیں چھوڑتے۔ دیوبند سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ مگر ماحول پر
 ”زہرِ خشک“ کبھی طاری نہیں ہوا۔ محتاط، باعصمت۔ زندہ دل شاعر ہیں۔ جدوجہد
 آزادی میں بیابانہ شریک ہوئے۔ آج بھی چکے قوم پرور ہیں۔

نمونہ کلام

ہے آشیاں میں تیرے نفس کا معاملہ زنجیر بھی نہ ہو تو یہاں بال و پر کہاں
 اب کتنی دور قافلہ شام آگیا تاروں سے پوچھتا ہوں کہ آئی سحر کہاں

شوکت میرٹھی

مجدد السنہ شرقیہ حضرت مولانا شوکت مرحوم کے بعد یہ دوسرے شوکت ہیں جن سے میرٹھ کا نام روشن ہو رہا ہے۔ علم نباتات پر عبور حاصل ہے۔ چاندی اور سونے کا مزاج پہچانتے ہیں۔ دھا پور ضلع بجنور میں اندازاً زرگری کرتے ہیں۔ شاعر ہیں اور با مذاق شاعر۔ لب و لہجہ میں لطافت اور انداز بیان میں شیرینی ہے۔



ننگی مجھ کو بختے والے ساز تو ہے تری صدا ہوں میں
جس سے ملتی نہیں کوئی صورت اسی صورت کا آئینہ ہوں میں

شعکہ - عطا محمد خاں

بلند شہر کے رہنے والے ہیں۔ علیگڑھ سے ایم اے کیا۔ دہلی یونیورسٹی سے
 شاسٹری کا امتحان دیا اور اعلیٰ معیار کے ساتھ کامیاب ہوئے۔
 ذہانت۔ پروازِ فکر اور حسنِ کلام پر جتنا ناز کریں کم ہے۔
 آج کل اکبر پور ضلع فیض آباد میں تھیں۔ مشاعروں کے انعقاد کا شوق
 جہاں جاتے ہیں ساتھ رہتا ہے۔

نمونہ کلام

کیا کہوں آپ سے میں اپنے اخلص کا سبب
 روح میں گرمی آتشِ نفساں رکھتا ہوں
 میں تاثر کبھی کرتا نہیں دنیا کا تسبول
 دل جواں۔ فکر جواں۔ عزم جواں رکھتا ہوں

شاد۔ محمد اسماعیل۔

سورت میں نیشنل ڈیری کے مالک ہیں۔ ایثار اُن کا پیشہ ہے۔ محبت اُن کی زندگی ہے
 مروت عادت بن چکی ہے۔ مقبولیت کا یہ حال ہے کہ
 سورت میں چوک بازار پہنچ کر کسی سے حافظ شاد صاحب کا پتہ معلوم کیجئے۔ وہ خود
 ساتھ جا کر اُن سے ملاقات کرادے گا۔ ہر وقت ایک غیر محسوس کرب سینے میں موجود رہتا
 ہے۔ آنکھوں کی نمی چھپی نہیں رہتی مگر ہونٹ تبسم سے کبھی خالی نہ ملیں گے۔
 ”دیانت و ایمانداری“ کو اگر انسانی سانچے میں ڈھالا جائے تو اس زمانے
 میں اُس کا نام حافظ محمد اسماعیل شاد ہوگا۔

مقامی مشاعروں میں بھی اب جانا ترک کر دیا ہے۔ سورت سے حجاز مقدس
 تک آنے جانے کی تمنائیں راہِ طلب کا جزو بن چکی ہیں۔
 ہندو انھیں برہمن سچا رہی اور مسلمان فخلص مومن سمجھتے ہیں۔ پاریسی اُن کے اخلاق
 کے گردیرہ ہیں۔ کوئی نئی کتاب اُردو ادب سے متعلق کہیں چھپے۔ علم ہو جانے پر اُسے
 فرد خریدتے ہیں۔ خود پڑھتے ہیں اور تقریباً آدھے شہر کو پڑھواتے ہیں۔

نمونہ کلام

ساز چھیریں بلبلیں غنچے غزل خوانی کریں
 آسمانوں کے فرشتے جس کی دیبانی کریں

موسمِ جل کا ادایوں فسر ض جہانی کریں
 کعبہ مقصودِ عالم ہے وہ سنگِ آستان

شمس بلوچی

کوئٹے کو اپنا وطن کہتے ہیں۔ زبان ایرانی بولتے ہیں۔ عربی کے قصائد میں حافظ اور نظیر کا رنگ غزل تلاش کرنا عادت میں شامل ہو گیا ہے۔ ابھی تک تو کامیابی نہیں۔ اگلے دور کا خدا مالک ہے۔

علامہ اقبال مرحوم کے اتباع کا دعویٰ ان کی زندگی کا سب سے بڑا علاج ہے معاش کی جانب سے سرکار نے بے فکر کر دیا ہے۔ جب کبھی لاہور تشریف لاتے ہیں "مرقد اقبال" کے مجاورین کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ روح اقبال ان سے ہمکلام ہوتی ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ سرزمین پنجاب میں "نبوت" کے مدعی نہیں ہوتے۔ ہر عقلمند کو پاگل اور ہر پاگل کو عقلمند کہہ کر بھارتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم کو لفظوں کا کاریگر اور فیض احمد فیض کو "داروغہ زنداں عمل" کا خطاب انہوں نے ہی بخشا ہے۔

حقیقتاً جالندھری کو صرف شاہناہ کے باعث شاعر مانتے ہیں اور اسے اپنی مذہبی زندگی کا ایک کمزور پہلو بھی کہہ دیتے ہیں۔

اکیلے بھی مکمل مجلس میں۔ کوئی بات کرنے والا نہ ہو تو اپنے دل کو مخاطب کر کے الف لیلیٰ سے زیادہ فنیخیم کتاب کے برابر گفتگو کر کے نہیں تھکتے۔ غزل میں کم سے کم نثر شعر کہتے ہیں۔ جب تک سننے والے اکتانہ جائیں وہ "شعر ملاحظہ فرمائیے" کی گردان نہیں چھوڑ سکتے۔

نمونہ کلام

توحیدِ خداوند جہاں سامنے رکھ کر
گفتار میں کردار کا حسن ہو شامل
ابلیس کو یزداں کا پرستار سمجھئے
جبریل کے الہام کا شہکار سمجھئے

شاگرد قادری

شہدہ میں حسین جوان تھا۔ اب شاعری جوان ہے۔ راولپنڈی اور دری کے درمیان نورپور میں آجکل قیام ہے۔ جب سے پونا چھوڑا ہے وہاں جو بن گئے ہیں۔ حضرت داغ سے براہ راست تلمذ ہے۔ بڑھاپے کے باوجود فرزند ارجمند کی اعلیٰ منصبی سے متمتع نہیں ہوئے۔ بینائی ماشاء اللہ قائم ہے۔ کتابت کرتے ہیں۔ شعر و ادب کی زندہ ان سائیکلو پیڈیا ہیں۔ جس بڑے شاعر کا تذکرہ پھیرٹیے۔ اس کی سوانحی سے لیکر تمثیلی کلام تک پوری کتاب حفظ سن لیجئے۔

داغ صاحب کے پاس کئی سال تک جیدر آباد میں مقیم رہ چکے ہیں۔ آواز پر اب بھی قابو ہے۔ نامور گوے۔ ساز میں سنگت نہیں کر سکتے۔ اپنی غزل کے لئے مشاعرہ کے حاحمندانہ ہیں۔ جب گنگنائے ہیں۔ گرد و پیش سے صد ہا سامعین آکر ان کو گھیر لیتے ہیں۔

نمونہ کلام

تجھے یوں بھی لفتیں ہے بندہ پرور	قسم کھا کر نہ کوئی بات کہئے
جنابِ داغ کا شاگرد ہوں میں	سنہمکل کر مجھ سے کوئی بات کہئے

شمس کھنوی - ابوالفضل

راجہ صاحب نان پارہ کے درباری ادبی مذاکرات کی روح رواں تھے۔ میری عمر کے برابر عمر شعر ہوگی۔ اچھا مجموعہ کلام شاگردوں کی نذر ہو گیا۔ اب کافی حد تک تہی دست ہیں۔ خاتمہ زمینداری کے مجسمہ ماتم اگر دیکھنا ہوتا تو استاد شمس پر ایک نگاہ ضرور ڈال لو۔

کلام نختہ۔ انداز نگارش لطیف۔ صاف ستھری زبان۔ تقریباً پچاس کتابوں کے مصنف ہوں گے۔ میں نے کہا ایک کتاب بھی آپ کے پاس ہوگی۔ آہ سرد بھر کر فرمانے لگے۔ کوئی نہیں۔؟

نمونہ کلام

تری شوخی جوانی ترے طرز امتحان سے

نئی صدمے توڑ لادو مجھے تارے آسماں سے

نیچی نظریں شباب کا عالم ماند ہے آفتاب کا عالم

شرما۔ رام لال

۳ راکتوبر ۱۹۱۹ء کو کما سہ ضلع لائل پور میں پیدا ہوئے تعلیم اپنے شہر کے
 لڑائی اسکول میں حاصل کی۔ پروفیسر غلام مصطفیٰ انتہیم نظامی اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے
 کلام نے ادبی ذوق طبیعت میں پیدا کر دیا۔ مذہبی بغاوت دماغ کے کسی گوشہ میں
 نہیں آدیت سے پریم ان کا طرزے امتیاز ہے۔ اب اسٹیٹ بینک لکھنؤ میں ملازم
 ہیں۔ شعر و ادب کے پرستاروں سے روحانی لگاؤ ہے۔

اپنے مذاق کے لحاظ سے دن بھر میں کوئی نہ کوئی وقفہ حیات ادبی مشغلے کی نذر
 ہو کر رہتا ہے۔

نمونہ کلام

روح کو سرمایہ عرفاں سمجھنا چاہئے	عشق کو عکسِ رُخ ایمان سمجھنا چاہئے
ہے بہر عالم اصولِ زندگی شرما مرا	آج ہر انسان کو انسان سمجھنا چاہئے

شاداں ٹھاکر پرشاد

اب سے چالیس سال پہلے نیدرلینڈز برج ٹرانس چکیسٹ لکھنوی نے اپنے
سالہ "صبح اُمید" میں منشی ٹھاکر پرشاد صاحب شاداں پر تاپ گڑھی کے کلام پر
ریویو کیا تھا۔ انہی کے قول کے مطابق۔
"شاداں کی سب سے بڑی جدت یہ ہے کہ وہ پرانے مضامین کو نئے انداز فکر
کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔"

نمونہ کلام

شائق - صفدر علی

لکھنؤ وطن بھی ہے اور گہوارہ زبان دکلام بھی۔ ایک چوتھائی صدی پہلے بھی فن کار تھے اور صاحبِ کمال شاعر۔ نئے مذاق ادب سے آشنا طبیعت نے زمانے کے ہر تعلق سے کو اپنا بنا لیا۔

”تذیم و جدید“ طرز سخن کا زندہ جاوید سنگم ان کے خیالی میں تعمیر ہو کر اردو ادب کی دائمی زندگی کی ضمانت بن گیا۔

نمونہ کلام

ذوقِ نظر ہے تجھ کو تو کر غور عندلیب

ہر خار ہے بہارِ گلستاں لئے ہوئے

شادانِ گلِ مراد سے محسوسم تاہر کے

دل میں خیالی تنگی داماں لئے ہوئے

شرفیاب - امانت سنگھ

ٹوبہ ٹیک سنگھ، ضلع لاہلپور میں شکرہ تک بسا طخانے کی دوکان کرتے تھے۔ علامہ برج موہن داتا تریہ کی بیٹی سے عقیدت عشق کے درجہ کو پہنچ چکی تھی۔ منہ گامہ تفریق میں اُجڑے۔ کرتار پور ضلع جالندہر میں آکر وٹاں چلے گئے جہاں ذہن کے صدقات سے نجات کی ابدی راحت ملی ہے۔

تخلص زندگی بن چکا تھا۔ سخت لب و لہجہ سے نفرت تھی۔ ہونٹ ہر وقت تبسم سے ہم کنار رہتے تھے۔

نمونہ کلام

ہے یہ جذبہ بھی کفرِ اہل و قبا
عشق میں راحتوں کی حسرت کیا

آدمی آدمی کا دشمنِ جاں
یہ ادا ننگِ آدمیت کیا

شکر۔ نیڈت ہری شکر۔

جب اودھ میں مولانا احمد اللہ نے برطانوی سامراج کے خلاف جنگ شروع کی تو نیڈت ہری شکر ہرگام قلع سیتاپور میں سکونت پذیر تھے۔ سنسکرت اسلاف وراثت میں پائی تھی۔ فارسی ملا عزیز ہرگامی سے پڑھی۔ ۱۹۳۹ء میں انتقال کیا ان کا ایک فارسی اور اردو کا ملا جلا دیوان لاہر پور قلع سیتاپور کے مشہور درویش دولت میاں نے ۱۹۳۹ء میں مجھے دکھایا تھا۔ اپنے بارے میں دیوان کے آخری صفحہ پر عبارت خود لکھی تھی۔

”برہمن کا بیٹا ہوں۔ فارسی میں نے ملا عزیز ہرگامی سے پڑھی ہے۔ انہی کو بڑا بھلا فارسی کلام دکھایا۔“
انگریزوں سے لڑتے ہوئے پہلی گارڈ کے قریب لکھنؤ میں ایسے زخمی ہوئے کہ مہینوں طویل رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

نمونہ کلام

خلاصہ یہی ہستی کا شکر وطن کا عاشق دیوانہ ہوں میں

شائق - سردار اودے سنگھ

اودے سنگھ نام - شائق تخلص - لسان الاعجاز مولانا تاجور مرحوم کا بھٹا ہوا خطاب - پیشہ وکالت - نظم و نثر کے صاحب فن نقاد ہیں - شاعر ہی نہیں ساحر ہیں کلام میں رفعت - متانت - رنگینی اور مختصر لفظوں میں زندگی ہی زندگی ہے -

۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۵ء تک انجمن ارباب علم لاہور کے بانیوں میں سے رہے ہیں - تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب میں ماتم گزار جیات کی کھیت سے جی رہے ہیں - زبان کا آئندہ مورخ ان کے ذکر جمیل کو تاریخ ادب کا سرفہرست عنوان سمجھے گا -

نمونہ کلام

یت یتا سوگ ہے ہر روز نیا مرنا ہے
دل نے نقصان اٹھایا ہے مرا دل ہو کہ
میں وہ نہر دہوں کہ ہر ذرہ مری منزل کا
روک یتا ہے مجھے راہ میں حائل ہو کہ

شاربِ گجراتی

مغیث الدین قادری نام ہے۔ آئندہ "حلاقہ گجرات میں مقیم ہیں۔ سنسکرت کے
ذی ہوش عالم۔ فارسی اور عربی کے ماہر ہیں۔

اجیر کے عوس میں بالالتزام حاضر ہوتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان کے نام پر جدا گانہ نکر
کے قائل نہیں۔ ہمہ اوست مشرب عشق ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ "صوفی ازم" انسانیت کو
سورجِ محبت سے آشنا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

جاسی کی پدموت کا "عربی" میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور مہر پہنچ کر اسے بہت
جلد چھپوانے کے ارادہ مند ہیں۔

نمونہ کلام

ایک جلوہ کے سوا کوئی نگاہوں میں نہیں

کعبہ دیر سے عشق کی راہوں میں نہیں

شکلِ انسان میں نہیں عارضِ زرداں کا رخ

اب کے غیر کہوں کوئی نگاہوں میں نہیں

شجاع - احمد علی خاں۔

بیزاد وہ علاقہ مدراس میں قیام تھا۔ اصل باشندے دلی کے تھے۔ شجاع علی خاں میں گردشِ تقدیر نے ہزاروں میل کی مسافت طے کرا دی۔ میرٹھ سے جو باغی فوج دلی آئی تھی اس کی رسید گاہ کا انتظام انہیں کے سپرد تھا۔ تنوین سپہ گری کے ساتھ ساتھ درسِ نظام کی بھی تکمیل کی تھی۔ فرنگی کے وجود کو ہندوستان کے لئے ہی نہیں دنیا بھر کے واسطے مفرت رساں سمجھتے تھے۔ اس لئے آنا دلی وطن کے چہار میں سر فروشاں حضرت لیا اور غیر ملکی حکمرانوں کی بنیادیں ہلانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ میاں بھگت مرہوم دہلی کے شاگرد تھے۔ مولانا بیخود دہلی کے پاس ان کا قلمی تذکرہ اور کلام کا کچھ حصہ موجود تھا۔ اسوس کہ لالہ مرلی دھرشاد رئیس دہلی اسے طبع نہ کر سکے اور جوانی کے عالم میں ہی راہی ملک بجا ہوئے۔

مولانا بے خود "شجاع" کو ترک زادہ حیدر کے نام سے ردھناس کراتے تھے۔ شجاع کا انتقال کب اور کہاں ہوا۔ کسی کو معلوم نہیں۔ مولانا بیخود سے خط و کتابت بھی رہی۔ ۱۹۱۶ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

نوٹہ کلام

اس کی چالوں سے چارکت شجاع ملک میں شور خانہ جنگی ہے
میں کسی کو برا نہیں کہتا میرا دشمن فقط فرنگی ہے

شجاعت - ایس ایم شجاعت علی

تاریخ پیدائش ۱۵ اگست ۱۹۲۹ء - جائے ولادت - فیروز آباد -
 حضرت یاور فیروز آبادی کے شاگرد ہیں - ہمہ تن غزل ہیں - کاروباری معرفت
 کے باوجود سوج کر شعر کہتے ہیں - معاصرین میں ممتاز اور علم و فضل کی دنیا میں مقبول نوجوان
 ہیں -

نمونہ کلام

خیر ہوان بلکاتی بھٹیوں کی خیر ہوا ہم صیروا آشیان تو پھر نیا سکتا ہے ہیں
 نہ شکوہ رخِ دغم ملے گا نہ اندھے خوشی ملے گی
 ہماری دنیا میں آ کے دیکھو ہماری دنیا ہی ملے گی
 اگر نہیں اختیار غم تو یہ نفس سے اتکان کر لے
 تری محبت تری تمنا رگوں میں ڈوبی ہوئی ملے گی

شہید آروی

جب انتقال ہوا تو ۹۵ سال کی عمر تھی۔ تیرہ برس کے تھے جب سے شعر کہنا شروع کیا۔ معاملہ بندی سے خاص شغف تھا۔ مجھ سے سلسلہ میں پٹنہ میں ملے تھے۔ فرمانے لگے۔ بیٹا۔ ”خواجہ میر درد کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ رہی جائے پیدائش ہے بھڑے میں جان بچا کر بیاں پہنچا ہوں۔ آج کل مشاعروں میں تم لوگ جو کلام پڑھے ہو وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ لفظوں کے جوڑ توڑ میں زبان ہی ختم کر دی۔“

نمونہ کلام

مرنے والوں میں تمہارے نام کرجائیں گے ہم
تم ذرا پہلو سے اٹھو گے تو مر جائیں گے ہم

ذرا پھیرا تمہا میں نے ذکر دشمن جبیں پر کیوں پسینہ آ گیا ہے

قیصر نجیب آبادی

بقول علامہ تاجور مرحوم نجیب آبادی پیدا ہوئے جالندھر میں منازلِ عشق طے
کیں۔ وہیں شاعری اور اخبار نویسگی کرتے رہے۔ جالندھر سے رخصت ہوتے وقت
شاعری اور عاشقی سے مستعفی ہو گئے۔ خطا معلوم اب کہاں ہیں۔ بظاہر خاموش یا ملن
آتش کدہ حیات۔ غزل میں ماجرائے ہر دو دل نظم کرتے ہیں۔ کلام میں مستی۔ رنگینی
اور دل گیری ہے۔

نمونہ کلام

یہ کس کے آستان پہ سجدہ ریزی کر کے آیا ہوں
جہیں شوق کا باغک درخشانی نہیں جاتی

صدر رامپوری

تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۱۳ء صدر الدین اسیم گرامی - رام پور - ضلع سہارن پور میں
 قدم ہے۔ مدت سے کھوپال میں وکالت کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محوی صدیقی لکھنؤی کے
 شاگرد ہیں۔ اشعار میں نکھرا ہوا تصور پایا جاتا ہے۔ لفظوں کے کاریگر نہیں شاعر ہیں۔

نمونہ کلام

ہرزہ کو شہود کا شایاں بنا دیا
 سارے جہاں کو عالم عرفاں بنا دیا
 ہمت بلند۔ عدم جواں دیکھے اپنے
 ہر مشکل جیات کو آساں بنا دیا

صابر غازی آبادی

قافی عبدالغفار خاں جب حیدرآباد میں تھے تو صابر ان کے حاضر باش تھے۔
 ظریف الطبع اور بڑا سنج تھے۔ مجنوں کی ڈائری اور لیلیٰ کے خطوط لکھتے وقت قافی صاحب
 مرحوم کو اپنے معتبر مشوروں سے نوازتے تھے۔ قلعہ معلیٰ کی زبان طرز بیان اور عین کلام کے
 ماہر تھے۔ اپنے کسی دوست کو ذرا رنجیدہ پاتے تھے تو دلچسپ لطیفوں سے احساس
 غم کا فوراً کر کے چھوڑتے تھے۔ جب تک زندہ رہے غازی آباد کو نہیں بھولے۔ پھین میں مگر
 سے نکلے تھے۔ نہ محلہ کا نشان معلوم تھا نہ ماں باپ کا پتہ۔ ان کے حکم کے مطابق میں نے
 تحقیقات کی تو اتنا علم ہوسکا کہ حضرت پھیر دیوئی مرحوم ان کے عزیز تھے۔ غالباً چودہ پندرہ
 دیوان مرتب کئے۔ اب وہ دیوان کس کے پاس ہیں اللہ بہتر جانتا ہے۔

نمونہ کلام

کیا کر دگے آئے گی جس دم خزاں
 محبت اہل چین اچھی نہیں
 بن نہ جلے موت کا پیغام ہی
 شدتِ رنج و سخن اچھی نہیں

صادق - عبدالوہاب

اددہ کے مشہور قصبہ نان پارہ میں رہتے تھے۔ آرزو لکھنوی کے استاد بھائی
تھے۔ دن بھر زمان خانے میں گھر پر باتیں کرتے رہنا انہیں پسند تھا۔ شاید ریختی کو اسی
لئے ذریعہ معاش بنایا تھا۔

نمونہ کلام

دل لائی ہے اسے میرے مالک لائی
شبِ غم نگوڑی قضا بھی نہ آئی
محبت کے خوابوں کا عالم نہ پوچھو
اچھلتی رہی رات کھیر چار پائی

صمد شاہ آبادی۔

شاہ آباد ضلع کزنال میں وہ پُرانی آبادی ہے۔ جس میں ہماری ماہی کے صمد نقشبے اس طرح موجود ہیں جیسے اُنھیں کوئی ابھی تیار کر کے گیا ہے۔ تقسیم ہندوستان کے تلخ نتائج سے یہ شہر بھی نہ بچا۔ اب ان نقشبوں کا کوئی جائز وارث و دہاں موجود نہیں۔ صمد صاحب اسی شاہ آباد کے ذی علم باشندے تھے۔ کپڑوں کی دھلائی اور رنگائی کا کارخانہ انہیں ترکہ میں ملا تھا۔ اس مسئلہ میں اُن کی بصیرت بے مثال تھی۔

مصالحہ سے مینا کاری میں وہ ماہر تھے۔ اُن کے تیار کئے ہوئے کچھ کپڑے اب بھی لاہور کے بعض امراء کی کونٹھیوں میں موجود ہیں۔ اُن کپڑوں پر وہ اپنے اشعار لکھتے تھے۔ ۱۹۵۲ء تک اُن کی اطلاع ملتی رہی۔ پچھلے دنوں جب میں لائل پور گیا تو اس عظیم فن کار کے انتقال کا علم ہوا۔

نمونہ کلام

مری ہر نظر ترے حُسنِ خلد طراز کا ہے اک آئینہ

میں تری حسین نگاہ کا ہر تن بساطِ بہار ہوں

میں نے وہ نقش سجیٹے ہیں ترے جلوؤں کے

جن کے پردہ میں تری آنکھیں آرائی ہے

غم کے خم بی کے بھی ہوتا نہ میں اتنا مدہوش

کتنی مستی بھری ظالم تری انگڑائی ہے

طوفانِ کشندت

ہریانہ سے دہلی تک بچپن۔ تعلیم اور شباب کی منزلیں طے کیں۔ عدالتِ دیوانی میں ممتاز عہدہ پر فائز ہیں۔ قطعات۔ رباعیات۔ غزل۔ منظم بے تکلف اور ظلم برداشتہ لکھتے ہیں۔ دماغ لے بلا کی آمد پائی ہے۔ تلمی داس۔ خاسخاناں اور کبیر کے خیالات اردو میں منتقل کرنے کی جاندار کوشش میں کامیاب ہیں۔ ناجائز مبالغے سے پرہیز عادت میں شامل ہے۔ مشاعرے میں شرکت نہیں کرتے۔ کبھی کبھی محض احباب کی مجلس میں وارداتِ قلب سنا دیتے ہیں۔

بچے وطن پرست اور سچے انسان ہیں۔ اکثر شعراء کے مجموعے اُن کی نظر سے گذر رہے ہیں۔ آل احمد سرور کے تنقیدی مضامین کو بار بار پڑھ کر بھی برابر پڑھتے رہنے کی آرزو کم نہیں ہوتی۔ سرور صاحب اور سید احتشام حسین کے درمیان عجیب فرق بتاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "حقائق" دونوں کے یہاں ہیں لیکن سرور صاحب محتاط اندازِ تحریر میں حسن پیدا کر کے کہیں کہیں مراعاتی پہلو بھی اختیار کرتے ہیں۔ لیکن احتشام صاحب "مواد" کی زیادتی کے ساتھ بے لگ تبصرہ کی رفاقت نہیں چھوڑتے۔ اُن کے نزدیک سرور جنتِ کثیر کا مست خرام چشمہ لطیف ہیں اور احتشام صاحب ہمالہ کی بلند چوٹیوں کا واجب الاحرام شکوہ۔

نمونہ کلام

حسنِ آغاز سے انجام کی تصویر بنا
میرا سو بار مخالف فلکِ پیر بنا

اپنی تدبیر کو لوحِ سر تقدیر بنا
میرے جذبات کا بگڑا نہ کسی دن بھی ثبنا

طرزی - خان محبوب

علیگڑھ کے صدر قدیم نے بن اہل علم کی تربیت کا فخر حاصل کیا۔ ان میں خان محبوب طرزی سائنس جیسے خشک موضوعِ تعلیم کے باوجود تسکین بخار باب قلم میں شمار ہوتے ہیں۔ تقریباً ۱۵۰ ناولوں کے مصنف ہیں۔ ان کے ناول سماجی اصلاحی سیاسی خدمت اور ادب و زمان دونوں کی جامع ترجمانی میں بے نظیر مانے جاتے ہیں جس واقعے پر قلم اٹھاتے ہیں لفظوں کی زندگی افراد تربیت سے اس کی حقیقی تصویر چشمِ ناظر کے لئے تیار کر لیتے ہیں۔ آج کل دوچار جز کی کتاب لکھنے والے مصنف محبت پندار و غرور بن جاتے ہیں۔ مگر طرزی صاحب نے ہزاروں صفحات کی تصانیف پر بھی چہرہ اور مزاج کو ٹکرا آشنا نہیں ہونے دیا۔ ان کے انفرادی فن کی وہ لوگ قدر نہیں کرتے جو زمانہ کے نئے الٹ پھیر میں کسی مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ طرزی خیر۔ خود ارادہ ملک کے خاموش سپاہی ہیں۔ ہمارے جہات کے ہر میدان میں شمشیرِ قلم کے جوہر دکھا کر ہمارے ادب، صحافت اور انشاز کو حملہ مخالف سے محفوظ رکھنے میں ان کا جواب کوئی نہیں ہے۔ "ادلہ فروغ اُردو" اس لحاظ سے قابلِ مبارکباد ہے کہ اُس نے طرزی صاحب کو پہچانا اور ایک غیرت مند ادیب کو مشکلاتِ شب و روز سے بچانے کے لئے اس کی خدمات حاصل کیں اور نئے رجحانات کے تازہ ماحول میں ان کے ناولوں سے صحیح قومی شعور پیدا کرنے کی قابلِ قدر مہم کا آغاز کیا لیکن افسوس ایک سال پیشتر اس عظیم ادیب کو بھی دائمی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

آخر عمر میں طرزی صاحب نے بہارِ راستہ اور آغازِ سفر دایسے ناول سپردِ قلم کئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر جدوجہدِ آزادی کے ہر رفیق کا حُسنِ عمل یوں سامنے آ جاتا ہے جیسے پڑھنے والا خود اس سے حالات کو دیکھ رہا تھا۔

طرزی پر کبھی کبھی شاہانہ مود بھی طاری ہوتا تھا۔ اشعار کی تعداد و قلت کی حد سے گزری ہوئی ہے مگر جو کچھ کہا ہے وہ ان کے کمالِ ادب کا آئینہ دار ہے۔

نمونہ کلام

طرزی مری حیات کا ہر لمحہ نشاط والبتہ یہ جو عالم ہو کے رہ گیا
جبکہ نگاہِ لطف بھی اچھا نہ کر سکے وہ لا علاج کشتہ زخم ہو کے رہ گیا

طرزی عنایت اللہ خاں

مدھیہ پردیش کے ڈپٹی منسٹر مولانا عنایت اللہ خاں طرزی مہجوپال میں رہتے ہیں۔ بصیرتِ علم۔ سیاسی سمجھ اور ادب و تقدہی سے ان کا خمیر حیات مرکب ہے۔ مولانا نیاز فتحپوری مدیر نگار لکھنؤ جس کو پڑھا لکھا سمجھیں۔ اس کی علمی حیثیت کا مقام بہتر نگاہ بلند ہی نظر آئے گا۔ نیاز صاحب کو طرزی صاحب سے محبت ہے۔

ڈاکٹر کریاش ناتھ صاحب کا بھو وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش نے مہجوپال کے سنگریڑوں سے اس گرانمایہ موتی کو چن کر ملک پر بے حد احسان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب فارسی ادب کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔ سخنِ فہمی کا باکمال جذبہ ہے۔ خود شعر نہیں کہتے۔ لیکن اپنے شعر پر تالیماں بجاتے ہیں۔ چٹکیوں سے گنت ملاتے ہیں اور نقل و حرکت کے ہر زاویے کو علمی تصویر بنا دیتے ہیں۔ طرزی صاحب کی شخصیت ان کے لئے ہمہ وجوہ جاذب توجہ ہے۔

نمونہ کلام

آپ اپنی جستجو کرتا ہوں میں آشنائے رازِ فطرت ہو کے بھی
جب کسی سے گفتگو کرتا ہوں میں بن ہی جاتی ہے وہ اپنی گفتگو

طلب۔ اسمعیل مسیح

آنند علاقہ گجرات میں پیدا ہوئے۔ خاندانی مذہب عیسائیت ہے احمدآباد میں
جدید علوم سے فیضیاب ہوئے۔ مغربی ادب پر گہری نگاہ ہے۔ آجکل جزیبی افریقہ میں
تجارت کو مشغلہ معاش بناتے ہوئے سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ مولانا مفتی
ٹونکی کی صفِ تلامذہ میں ان کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔
گوئے پر گجراتی زبان میں عمدہ کتاب لکھے ہیں۔

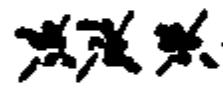
نمونہ کلام

آدمیت کا پرستار جو انساں ہوگا
دہ حقیقت وہ نہ ہندو نہ سماں ہوگا

جو کلی آپ کو بے رنگ نظر آتی ہے
اُس کو حال شرفِ حُسنِ گلستاں ہوگا

تنویر وصالِ پیروی

تنویر احمد نام بھی ہے اور آئینہ دارِ تخلص بھی۔ زخمِ خوردہ نظرِ دل
کی چوٹوں کو پلکوں تک لاتی ہے۔ تو تخیلِ غزل طراز ہو جانا ہے خوب
کہتے ہیں۔ اچھے شاعروں میں شرکت کے باوجود شعر کبھی نہیں
پڑھتے۔ قدرت نے فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا ہے۔ لیکن
فکرِ شران سے جدا نہوسکی



نیا نہیں مرا ذوقِ جنونِ دل ہمدم
ازل سے صاحبِ اندازہ محبت ہوں
مجازِ محکو فریبِ نگاہ کیا دے گا
ہونا جس پہ حقیقت کو وہ حقیقت ہوں

عنوانِ حشٹی - افتخارِ الحسن

منگلور، ضلع بہارن پور کے رہنے والے ہیں۔ سادات کے چشم و چراغ ہیں۔ مولانا ابراہیم حسنی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ پرگو ہو کر خوش گو ہیں۔ ماہر فن استاد کی تقلید اسی حد تک کرتے ہیں۔ جہاں جذبات کی ہم آہنگی لفظوں کی پابند نہ ہو سکے۔ ۳۰ سال سے کم عمر ہونے کے باوجود کلام میں تجربہ کارانہ وقار پایا جاتا ہے۔ قطعات میں حالاتِ حاضرہ کی عکاسی کرتے ہیں اور غزل کو اپنے باحسن چہرہ کا آئینہ دار بنانے کی فکر اپنے مقصد میں کامیاب ہے

نمونہ کلام

یہ دالبانہ تبسم، یہ تیری انگڑائی
 تمام مستی حبسوں، تمام رعنائی
 وہ بزمِ دل سے گئے آنکھ سوئی بے نور
 کہاں چراغ بجھا تیرگی کہاں پھلائی
 یہ کس مقام پہ پہنچا دیا محبت نے
 جو بھول کر بھلی سننے ہم تو آنکھ بھرائی

عاجز۔ حاجی عبدالکریم

علیگڑہ کے ممتاز شاعر تھے۔ شعر و ادب کے دلدادہ تھے۔ اللہ نے دولتِ حتمت کے ساتھ شعر و سخن کی دولت بھی ودیعت کی تھی اور یہ خداداد صلاحیت تھی نہ وہ کسی کے شاگرد تھے اور نہ خود کسی کو شاگرد بنایا۔ نظمیں کہتے تھے اور مسلسل کہتے تھے۔ نظموں میں ان کے تصوف، وحدانیت اور سنتِ رسول کی ہر جگہ اتباع پائی جاتی ہے۔

انہی نے اپنی تصانیف میں تین کتابیں چھوڑی ہیں۔

(۱) الوارِ سنت۔

(۲) گلزارِ سنت۔

(۳) مثنوی عاجز (اس مثنوی میں شرک و بدعت کی سخت مذمت کی گئی ہے۔)

۱۹۲۳ء میں علیگڑہ میں انتقال کیا۔ اور علیگڑہ کا ایک چوراہا۔ چوراہا

عبدالکریم کے نام سے موسوم ہے۔

اولاد۔۔۔ ان کی اولاد میں چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ خاندانی رئیس

ہونے کے ساتھ ساتھ حاجی صاحب مرحوم نے شعر و ادب کا ذوق بھی اپنی اولاد کو ترک میں دیا۔ ان کے دو بیٹے شاعر ہوئے۔ جنہوں نے شاعری میں ہنر اور تخلص کئے

ان کے بعد ان کے خاندان میں آج بھی ایک نوجوان شاعر کسی کسی شاعر سے ہیں

فوق کے نام سے نظر آتا ہے۔۔۔۔۔

عالم سبب پیمبر

احمدا باد گھرات میں رہتے ہیں۔ ذکر حسینؑ زندگی پر طاری ہے۔ قوی تحریکات میں مردانہ وار حقتہ لیتے ہے۔ حضرت فاطمیہؑ کو اصل حرام کے لئے کلام بھیجا کہتے تھے۔ نسبت استاد نے مزاج کو دیاس کے آئینہ کی تصویر بنا دیا ہے۔

تقسیم وطن کے بعد گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ فرقہ پرستی سے طبعاً نفرت ہے۔ انسان اور انسانیت، مقصد حیات کے اہم جز ہیں۔ مشاعرہ کی شرکت کا تقبیر بھی زمین میں نہیں لاتے۔ پہلے صرف غزل کہتے تھے۔ اب نئی سپندانہ رجحانات کے ماتحت آزاد نظمیں بھی کہتے ہیں۔ عوام کی زندگی سے قرب کے باعث مزدوروں میں مقبول ہیں۔ خاص بھی ان کی عزت کرتے ہیں۔

نمونہ کلام

دردِ انساں سے مرکب ہے مرا جذبہٴ دل

یہ ادا زبیرت کی آغوش میں خود پالی ہے

ظلمتِ شب سے نہ ہو گا کبھی عالمِ دوپہا

میں نے جس سرخ سولہ کی بنا ڈالی ہے

عصری - مولانا طفر احسن کا کوری

شرفائے کوری میں علم - ادب اور فضیلتِ سادانکے پیکر تھے۔ شگفتگی بڑا
میں تھی۔ غزل نے جیات پر پورا سٹکا کر لیا تھا۔

نمونہ کلام

دہ گتے نہ گاتے یاں اقرار تو کر لیتے

مشتاقِ تماشہ کو اتنا ہی بہت کچھ سکتا

تم حالتِ دل سن کر خاموش ہی ہوتے

آپ بے سرو ساماں کو اتنا ہی بہت کچھ تھا

عرفان مقصود کھوپالی

نوجوان شاعر ہیں۔ شدائدِ روزگار سے ٹکھا کر زندہ ہیں نئے ادب کے
ہونہار مگر محتاط شاعر ہیں۔ الفاظ انھیں شعر کہنے پر اکساتے ہیں۔ مطالب و معانی
کی بلندی کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔ متعلق تراکیب استعمال نہیں کرتے۔ نارسیت کا غلبہ
ضرورت کی حد تک ہے۔

دولت و غربت کی کشمکش نے جس ادب کو ابھارا ہے عرفان اس کو پسند کرتے ہیں
اچھے ترقی پسند ہیں

نمونہ کلام

زندگی کی کشمکش سر تا پے حد جنگ ہے
زندگی خود زندگی کی آرزوئے تنگ ہے
آدمی ہر رنگ میں رہتا ہے عرفان آدمی
دیکھنے کے واسطے ہر شکل کا اک رنگ ہے

عادل - کرشن کمار

ایوان ادب امرتسر کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ دنیا کی زبانوں میں حسن و عشق کے متعلق جو خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ "عادل" ان سب کو سمیٹ کر غزل کہتے ہیں۔ کئی زبانیں جانتے ہیں۔

مومن کو غالب پر ترجیح دیتے ہیں۔ طنزیات سے لگاؤ ہے۔ ہندی کبے ریا پرستار، پنجابی کے مخلص خدمت گار اور اردو کے پتے جا شمار ہیں۔ جب سے ہوش سنبھالا۔ معارف اعظم گڑھ اور نگار لکھنؤ ہر پہیے پڑھتے ہیں۔ فلم کو علم کا دشمن خیال کرتے ہیں۔ اس قسم کے گیتوں سے قلبی نفرت ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ آج کل ہر فلم کا پلاٹ فرضی ہوتا ہے اس لئے اُس کے بے نفس اور بے اصل کالوں کو سننے سے روک صرافت کو کیوں مضمحل کیا جائے۔

نمونہ کلام

آپ ہر بات پر بگڑتے ہیں
آپ سے کون دنگی بات کہے

موت وہ ہے جو زندگی ہی کر
عمر کھبر خدمتِ حیات کہے

عزیز مینائی

نواب فصاحت جنگ جلیل مانکپوری کے فرزند ازبند ہیں۔ خوش گفتار۔
شاعر ہیں۔ کلام میں رسانی اور برہنگی کا عنصر غالب رہتا ہے۔ غزل نگاری کا حق
ادا کر رہے ہیں۔

باپ نے جو ترکہ امیران کو ملا ہے۔ اس کو بزرگوں کی امانت سمجھ کر قلب و دوح
کی جان بنائے رکھتے ہیں۔
عثمانیہ یونیورسٹی کے پرنسپل گریجویٹ ہیں۔

نمونہ کلام

رازِ الفت کا دل کو ہوش سہی آنکھ کہتی ہے لبِ خموش سہی
بیری ہستی سے کھیلنے والے یہ بھی احسانِ بارِ دوش سہی

عادل گلادکھی

سید وقار حسین نام۔ علیگڑھ سے ایم ایس کیا اور آجکل حکومت یوپی کے اس محکمے میں ملازم ہیں جسے احتساب عام و مینا کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ ہمہ تن زندگی ہی زندگی ہیں۔ رات دن فرائض منصبی کی تکمیل کے ساتھ مجلس احباب میں "شعر و شاعر" کا دند چلتا ہے۔ الفاظ کے سلپے میں ڈھالی ہوئی ادبی شراب سب کو مست رکھتی ہے شاعروں میں پہنچ جاتے ہیں تو دلچسپ چوٹوں سے بڑے بڑے شعراء کی پیشانی کو عرق آلود کرنے کا فن جانتے ہیں بلند شہر کے ایک مشاعرہ میں ایک نوخیز شاعر نغمہ طراز کسی کے عطیہ تخیل کو اپنا کہہ کر بھروسے کے مدھم سرور میں الاپ رہے تھے۔ وقار اُن کی آواز کے ساتھ نہایت بے تکلف انداز میں رقص کرنے لگے۔ میں نے عرض کیا یہ انامں زادے کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ فوراً جواب دیا جہاں سے یہ طوائف بلائی گئی ہے۔

میں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ حالانکہ اس سنسزں کا اپنے آپ کو شہسوار سمجھتا ہوں

نمونہ کلام

میرے مرنے کی خبر سن کر وہ کیوں رونے لگے
 دولتِ پندارِ حسن و ناز کیوں کھونے لگے

اُن کی زلفِ ناز کا سایہ بتیرا گیا
 عمر بھر کے جاگنے والے یہاں سونے لگے

غازی حبیب الرحمن (خان غازی کابلی)

آبائی وطن افغانستان ہے۔ ۲۵ سال لاہور میں اخبار نویس رہے۔ برطانوی نظام حکومت سے جذبہ نعرت بہت پڑا ہے۔ سرحد کے آزاد قبائل کے ساتھ حاجی صاحب ترنگ زئی کی قیادت میں باقاعدہ جنگ لڑی اور استعمارِ فرنگ کو زک پہنچانے میں کمی نہیں کی۔

کانگریس اور مجلس احرار سے وابستگی نے ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان پہنچنے پر مجبور کیا۔ لوگ ہندوستان سے پاکستان ہی جا کر مسلم مہاجرینے یہ پاکستان سے ہندوستان میں آکر مسلمان ریوڑھی ہیں۔ کئی برس روزنامہ پتاپ میں کام کیا۔ کچھ کل "نقیر غیور" سے کھیل رہے ہیں۔ گرفت مزاج میں جذبات کی شیرینی شامل کر کے دل آویز شعر فرماتے ہیں۔ کوچہ رحمان دہلی حالیہ مسکن ہے۔

نمونہ کلام

سرحد کے پٹانوں کا ہے خونِ رگ دپے میں
غیروں کی خلائی کو تسلیم نہیں کرتا
دشمن جو وطن کلبے ہو نواہ کوئی غازی
میں جا برد ظالم کی تعظیم نہیں کرتا

غازمی - شرف الحق

مرشد آباد بنگال میں پیدا ہوئے۔ کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ دیوبند میں دورہ حدیث مکمل کیا۔

آج کل آسام کے اُس حصہ میں جو پاکستان میں شامل ہو گیا ہے معلم عربی ہیں۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ”الہلال“ کی پرانی جلدوں پر فریفتہ ہیں۔ طلانی جلدوں میں انہیں محفوظ کر رکھا ہے۔ مذاق شعر و سخن بلند ہے۔ بنگالی زبان میں اردو کی انقلابی شاعری پر مبسوط تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔

”قاضی نذیر الاسلام“ کے محاسن شعری کے معترف ہیں۔ لیکن نظریات زندگی سے متفق نہیں۔ شائستگی میں ڈاکٹر ٹیگور کے فلسفہ فکر پر کئی سال تحقیق کرتے رہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی ظاہری حدود کو ”درودیوار زندان انسانی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دونوں ملکوں میں ”رابطہ اتحاد“ اُن کا مشن ہے۔

نمونہ کلام

محبت کو ایمانِ کامل سمجھ کر
محبت کی دعوت دے جا رہا ہوں
مجازاً اسے بادہ نوشی سمجھ کے
شرابِ حقیقت پئے جا رہا ہوں

غریب۔ اعتماد حسین سنہلی

یکم جنوری ۱۹۳۹ء کو سنہلی ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ داغ مرحوم سے اصلاح لی۔ حضرت باغ سنہلی جانشین مرزا داغ کو بھی کبھی کبھی کلام دکھایا ہے۔ عام طور پر ہجو یہ اشعار لکھتے تھے۔ ان کے یہاں سنجیدہ مضامین کی بھی کمی نہیں۔ ۱۹۳۹ء میں سفر آخرت کیا۔ گاندھی جی کی تحریک "نمک" کے سلسلہ میں قید و بند کے مصائب برداشت کئے اور جیل سے "پراناسخار" لے کر نکلے۔ کئی سال تک بسترِ علالت پر دراز رہے۔ مگر مزاج میں چڑچڑاپن کبھی نہ پیدا ہوا۔

نمونہ کلام

سودا رہیں اپنا خدا مان لیا ہے	مقصودِ نظر جانِ و فاماں لیا ہے
بُت خانے کے ہر بُت کو خدا مان لیا ہے	حیرت کا وہ عالم بھی گزرا ہے جہاں د

غفلت رامپوری

کوئٹہ بلوچستان میں سب اور سیر ہیں۔ رام پور میں تھے تو شاعر کی حقیقت سے روشناس نہ ہوئے۔ بلوچستان کی ادبی نقادوں میں آج کل پھائے ہوئے ہیں حضرت نوح ناروی کے شاگرد ہیں۔ زبان صاف اور انداز بیان سادہ ہوتا ہے دلی کسی ضرورت سے آتے ہیں تو مجھ سے ضرور ملاقات فرماتے ہیں۔

نمونہ کلام

کس طرح اُجڑا نشین کس طرح اُبڑی بہار
عمر بھرونے کو غم کی داستاں لایا ہوں میں
میں اسے غفلت کہوں یا ہوشِ ستی اپنے ساتھ
کوئٹے میں تھکے اُردو زباں لایا ہوں میں

غلم سرہندی

بریم سنگھ تحریک آزادی کا پڑانا ساسکتی۔ اور ان دنوں سوشلسٹ پارٹی کا سرگرم کارکن ہے۔ سرور جعفری۔ مخدوم محی الدین۔ اور سلام مچھلی شہری سے متاثر ہے۔ آل احمد سرور کی تنقید اور سید احتشام حسین صاحب کے علمی مضامین کو دلچسپی سے پڑھتا ہے۔ سرور و احتشام کو وہ دو دماغوں کی ایک کاوش کہتا ہے بار بار سوال کرنے پر بھی اس نظریہ کی دلیل نہیں دیتا۔ و منے رجحانات کی زندہ کتاب ہے۔ ساحر لدھیانوی کی "تاج محل" حفظ یاد ہے۔ اُسے بڑے مزے لے لے کر پڑھتا ہے۔

نمونہ عکلام

یہ بھی تفصیل جنوں کیا کم ہے
بریم ہے نام تخلص غم ہے
کیوں بدلتا ہوں نظام عالم
اس لئے سارا جہاں بریم ہے

غریب چوپوری

مولانا نظام الدین مرحوم عرف سید شیش بابا سے جدوجہدِ حریت کا ہر ذوق سفر و آفتاب ہے۔ حرکت ہی حرکت تھی۔ سکونِ حیات سے لہی بغضِ کھابہ و دوسرے برس تید ہو جانے کی علامت تھی۔ برطانوی سامراج سے اتنی دشمنی کم لوگوں میں دیکھی ہے۔

دل کے مریض تھے۔ لکھنؤ کسی کام سے آئے تو اچانک ہمیشہ کے لئے بغضِ حیات بند ہو گیا۔ ان کی موت کے ساتھ ان کے بچوں کی بھی موت آگئی۔ وہ زندہ ہیں مگر مرقعِ جنت بہر حال ملک کی بددلتوں کے لئے نظام الدین کی اولاد کے ساتھ زمانے کا یہ طرزِ عمل واقعی حیرت انگیز ہے۔

محترم کلاپتی تریپاٹھی وزیر اطلاعات یو پی اور ڈاکٹر سمپوزنا نند کوہلم ہوا بے چین ہو گئے اور ان کے بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ مستقبلِ انتظام کر دیا۔ کلاپتی جی دیرینہ لٹریچر آدمی ہیں۔ ہندی اخبار نویسوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ نرم و گرم ہر دور میں قومی ترقیات کے عملی معاون رہے۔ آج بھی اپنے حکم کے ذریعے سے قومی مزاج کا ادب تیار کر رہے ہیں۔ نظام الدین مرحوم ان کے گھر سے دست تھے۔ حتی دوستی ادا کرنے کا جو نمونہ کلاپتی جی نے دکھایا وہ ہمیشہ قابلِ ستائش رہے گا۔ نظام الدین جب جیل جاتے تھے شاعر ہو جاتے تھے۔ بیرونی ماحول میں کبھی ان سے شعر نہیں سنتا۔

نمونہ کلام

غیرتِ عشق کو خود دار بنائے رکھے غم کے احساس پہ اک بار اٹھائے رکھے

خدمتِ ہندوستان یوں بھی کئے جانا ہوں ہیں گھر سمجھ کر جیل خانے میں جئے جاتا ہوں میں

غازی - خضر محمد

ایک سو تیس سال کے بزرگ ہیں۔ اب بھی جوانوں سے زیادہ با محنت ہیں

ڈیپکا پور کان پور میں آج کل مقیم ہیں ۲۸ برس قید کی زندگی گزاری۔

نگرام ضلع لکھنؤ کے ضلع میں تعلقہ ارسکے۔ جائیداد تباہ ہوئی۔

۱۹۵۷ء سے اب تک وہی مزاج ہے۔ وہی اتمار طبیعت فاقوں سے رہنا

نہند کریں گے۔ دست سوال دراز کرتے کی عادت ہی نہیں ڈالی۔ ہفتہ میں دو چار دن

غذائی مسائل سے علیحدگی فطرت بن گئی ہے۔ حسرت مولانی اور اس زمانے کے دوسرے

سیاسی کارکن انھیں اپنا بزرگ بھی مانتے تھے۔

نمونہ کلام

جس طرح ممکن ہو نظم شوق برہم کیجئے

کچھ نہیں ملتا تو اپنے دل ہی کو ہم کیجئے

جس طرح تڑپی بہادر شاہ کے بچوں کی لٹا

ایک دن انگریز کا ایسا ہی عالم کیجئے

غالبِ عمرانی

شکر گو ایار میں پیدا ہوئے۔ لالہ موسیٰ پاکستان میں مرے۔ نواب
مصطفیٰ خاں شیفتہ کے شاگرد تھے۔ کلام میں مرزا غالب کے اتباع کو شش
کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے طالب گو ایاری لاہور میں رہتے ہیں۔ اگر مجموعہ کلام شائع
کر دیں تو ادب میں اچھا خاصہ اضافہ ہو جائے۔

نمونہ کلام

شیفتہ کا فیض ہے غالب کہ میری ہر غزل
حاصلِ رنگینی گلزارِ معنی بن گئی

حلقہٴ اختیار سے ہے ارتباطِ روح و دل
دیکھتے ہی جھکو اس قاتل کی ابرو تن گئی

غریقِ شہوراج بہادر

آج کے دور میں بھی پرانی شہادت۔ علمِ دہلی اور فنِ پروردگی کا مجسم نمونہ تھے۔
جنہا کے کنارے بیلا بڈ پر کونٹھی ہے۔ چاندنی راتوں میں اس کی چھت پر بیٹھ کر دلی
کے ماہی و حال کی تقریریں خیالوں میں بسائے ہوئے تھے۔

دلی کی کوئی ادبی مجلس۔ علمی تقریب اور محفل ”چنگ وریاب“ ایسی نہ تھی۔
جس کے حسنِ تربیت میں بابوشہوراج کا چہرہ صاف نظر نہ آئے۔ حکومت ہند کی وزارت
ہند کی وزارتِ تعلیم کے خوش ذوق نائب ناظم سید اشفاق حسین خود ذی علم اور باشعور
آدمی ہیں۔ شہوراج بہادر مرحوم اُن کے حلقہٴ اجاب میں شامل تھے۔ موسیقی پر عبورِ کامل
تھا۔ اردو ادب پر ہزاروں کتابیں۔ اکابر کے دادا دین نئے شعراء کے مجموعے سب
پڑھ ڈالے تھے۔ انسوس پچھلے دنوں قلب کی حرکت بند ہونے سے انتقال کر گئے اور دلی کے
دل و وہ داغِ مفارقت دے گئے۔ جس کا علاج فی الحال کوئی نظر نہیں آتا۔ دلی کے
موجودہ دہرے میں محمود دہلوی مرحوم سراپا غزل شاعر تھے۔ فانی کی یا بیات سے متاثر ہو
کر زندگی ہی کو سراپا یا س بنا لیا تھا۔

بابوشہوراج بہادر اُن کی حیاتِ فقر سے واقف تھے۔ اس لئے محمود کی خود دلویوں
کا پورا احترام کیے خاموش خدمت سے کبھی نہیں رُکے۔

نمونہٴ کلام

بہرنگا ہ ملا سا حاصلِ مراد بٹھے
ہر اک غلش سے سہارے رہیگا یاد بٹھے

غریقِ بحرِ کرم ہوں تری عنایت سے
وہ حادثہ جو ہے تیری نظر سے وابستہ

فلک ہیرالال

دلی ہی کے آغوش میں آنکھ کھولی۔ فارسی۔ اردو اور سنسکرت معیاری انداز
میں پڑھی۔ عدالت دیوانی میں ان دنوں کام کرتے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں آزادی وطن کے باعث
سیاہی تھے۔ شعور بیدار اور دل آگاہ بنے۔

اگر آپ دن بھر نگارش شعر کی دعوت دیتے رہیں تو بس بارے میں کوئی تکان
محسوس نہ کریں گے۔ چشمکِ محاصرانہ نے مشہور نہیں ہونے دیا۔ غیور مزاج آج کے خوشامد
پسند ماحول سے الگ تھلگ رکھتا ہے۔

نمونہ کلام

زنگینی حیات نہ ملتی بہار کو گر خونِ گلِ شربک نہ ہوتا بہار میں
دبچپ ہے فلک مرا اندازِ عاشقی تاروں سے کھلتا ہوں شبِ تنکائیں

تو بے نشان ہے تری جستجو سے کیا حال
ترا یقین ہے کافی ہے بندگی کے لئے

اتنے آئے ہم اپنے قریب دور دیر و حسوم رہ گئے

فصل مولانا فضل حق خیر آبادی

حلم و فضل اور مجاہدانہ کارناموں کے اعتبار سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔۔۔
ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو مذہباً حرام ثابت کر کے بہادر شاہ اورمان کے رفقاء کو
بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ان کی قابلِ وقار حیثیت سے تختہٴ افرنگ اُلٹنے کی سازش
کے الزام میں کالا پانی بھیجے گئے اور وہیں دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

مولانا نعمان الحق خیر آبادی کے وساطت سے چند اشعار دستیاب ہوئے۔ نعمان صاحب
آج کل صوبہ سرحد پاکستان میں قبائلی پٹھانوں میں تفسیرِ قرآن کی خدمت انجام دے رہے
ہیں۔ پاکستان بننے کے مخالف تھے لیکن عالمگیری سے پولیس کی حراست میں پاکستان بھیجے
گئے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے نخلص ہی خواہ ہیں۔ کشمیر پر قبائلی حملہ کے معاملہ
میں عام پاکستانی نقطہٴ نظر انہیں پسند نہ تھا۔ اس لئے کچھ دن معتوب رہے۔
مولانا فضل حق خیر آبادی سے قریبی تعلق ہے۔

نمونہ کلام

وطن کی غلامی جو کرے گواما وہ انسان دشمن مسلمان نہیں ہے
ہے کز وہ ایمان چہرے سے جس کے عناد فرنگی نمایاں نہیں ہے

فکر - حمید حسن

ملک کے مشہور قوم پرست اور کثیر الاشاعت اخبار مدینہ بخنور کے ایڈیٹر ہیں۔
 نثر و نظم پوری روانی، مواد اور حسن بیان کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ہزاروں شاعروں کا
 کلام مدینہ کے صفحات پر چھاپ چکے ہیں۔ لیکن اپنا کوئی شعر اشاعت کے لئے نہیں دیتے
 تنقید کے معاملہ میں بے رحم نقاد ہیں۔ وہ جب کسی شعر پر داد دیتے ہیں تو اس کی اچھالی
 پہ ہر تصدیق مثبت ہو جاتی ہے۔ حسرت کے خیورن اور لطف زبان۔ جگر کے تغزل کے
 معتبر قائل ہیں۔

نمونہ کلام

رہبر عقل ہو نہیں سکتا وہ جنوں جو نہیں خسرو آموز
 زندگی آتشِ محبت سے خود بخود فسر بن گئی پر سوز

فارغ اجمیری

صاحبزادہ درگاہِ معلیٰ سے خاندانی نسبت تھی۔ علم کی افرات نے طلبِ در سے مستعفی کر دیا تھا۔ نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی کو کلام گھاتے تھے۔ اجمیر کے ہر مشاعرے کے روحِ رواں کہے جاتے تھے۔ بلا کا ترجمہ پایا تھا۔ ہندو مسلم فساد کے دوران بعض ہندو عزیزوں کی حفاظت کرتے ہوئے ایک پگل مسلمان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

نمونہ کلام

عمر رواں کا نام نہ لے میرے سامنے یہ اک شکار گاہِ اسیرانِ زلیبت ہے
سب سے بڑے وہی نظر آئے عروجِ جا جن کا خطابِ خاصِ محبانِ زلیبت ہے

فخر گیاوی

فخر الدین احمد نام فخر تخلص۔ علم و فضل میں یکتائے عصر دین و عمل کے بہم ربط
 نے طبیعت میں استقامت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ طالب علمانہ زندگی میں مصائب کا
 تسلسل ہبشکن تھا۔ مگر انہوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اب یہ عالم ہے کہ دولت قدم
 چومتی ہے۔ اور وہ بے نیازی سے اُسے ٹھکرا دیتے ہیں
 گیا کے مدرسہ عربیہ میں مدرس تجوید ہیں۔ معارفہ فن لینا حرام سمجھتے ہیں۔
 دل کے بعض مطالب سے تصحیح کتب کی اجرت پر گذرا اوقات ہے۔
 عربی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

زندگی درد سے مالوس رہی ہے اب تک
 شمع ایماں کا جو فانوس رہی ہے بیتک

فخر کو فخر ہے اُس عشق پہ جس کے دم سے
 میں اسی آنکھ کا عنوان کرم ہوں اے دوست

فارع ناگیوری

درکیش صفت انسان ہیں۔ بابا تاج الدین ناگیوری رحمتی کے مرید اور عاشق مزار ہیں۔ برسوں سے تاج آباد (ناگیور) ہی میں رہتے ہیں۔ نسلاً عرب ہیں۔ منطق اور فلسفہ قدیم ذہن میں محفوظ ہے۔ پہلے کسی مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ اب مشکل زندگی گزار رہے ہیں۔ قصائدِ حسان اکثر در زبان رہتے ہیں۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

نسبت ہے جب سے دل کو مرے زلفیاری سے
مایوس ہو چکا ہوں نظام بہار سے

فارغ ہوں نگرگرددش لیلِ دہار سے
رکتی نہیں ہے اب کسی گل پر مری نظر

فتاویٰ کی

اصل وطن ٹونک ہے۔ راندر ضلع سورت میں عربی اور فارسی کے مدرس ہیں
 عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ ہر گوشہ فکر و نظر نیچتہ ہو چکا ہے۔ ہجرات ہیں اُردو
 زبان اور اس کے ادب کی مخلصانہ ترویج میں حضرت فتا کا کافی ہاتھ ہے۔
 خاموش قسم کے انسان ہیں۔ منطق و فلسفہ کے ارباب فن میں شمار ہوتے ہیں۔

نمونہ کلام

یہی تو گریہ فصل خزاں کی ہے تہبید
 مین میں نام نہلے کوئی مسکرانے کا
 خبر نہیں کہ گذر جائے کیا بہار کے بعد
 بہار ہی میں مجھے غم ہے آشیلنے کا

فیض اللہ خاں سرعظمی

۳۵ سال سے بھٹی میں ہے۔ اسپتال روڈ پر رہتے ہیں۔ وطن مالوہ عظیم گڑ
 ہے۔ بنامض طبیب ہیں۔ قدرت نے دولتِ شفا سے مالا مال کیا ہے۔ تومی حکومت
 کے دور میں اپنی کھلی قابلِ قدر خدمات کے طفیل ذی اثر ہیں۔ خاندانی پٹھان ہیں۔ چہرہ
 پر جلال ہوتا ہے۔ آنکھوں میں سنجیدگی ہر وقت نظر آتی ہے۔ عام اخلاق بہت بلند
 گرمیہ غم ہو یا خندہ مسرت دونوں آپ کو کم محسوس ہوں گے۔ آج تک کبھی مشاعرہ
 میں شریک نہیں ہوئے۔ شاید دس۔ پانچ غزلیں کہیں ہوں۔ مگر چوکچہ کہا وہ مضبوط۔
 مستحکم اور پائدار جذبات کا آئینہ دار ہے۔

نمونہ کلام

کشدہ آلامِ دوراں اعتبارِ غم نہ کہہ
 التفاتِ دوست کے انداز کو برہم نہ کہہ
 ختم کر دیتی ہے جس کا حسنِ سورج کی کرن
 دیدہ پر شوق کو رہنِ رُخِ شبنم نہ کہہ

قمر رشید

بلوچ پور لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ ادارہ مزاج پاکر امین بن کر۔ سیر و سیاحت کو مشغلہ زندگی بنالیا۔ شعر ڈھلنے کی مشین ہے۔ الفاظ کا معمولی فریب کھا کر خدمت کی اس منزل پر اتر آتا ہے جہاں ملازمت۔

آج کل کانپور میں قلمی بازار کے چائے خانوں میں نظر آتا ہے قلمی کتابیں۔ پڑھی نہیں۔ چاٹی ہیں۔ یوں مطالعہ کی کثرت و درود و ظائف کی حد تک ہے۔ خوبصورت چہرے پر بلا تراشے ہوئے لمبے لمبے بال۔ بدن پر پونیرنگے کپڑے۔ آنکھوں سے وحشت نمایاں۔ خدا خوش رکھے اس ہماں نواز شاگرد عابدی ظہیر کو جو کاروبار کی مصروفیت کے باوجود اس کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ خودداری پاگل پن کی منزل میں لے جا چکی ہے۔ بیوی کی شکایت افلاس پر خفا ہو کر لکھنؤ ہی چھوڑ دیا۔ ذرا اپنے آپ کو سنبھال لے تو بے نظیر اور کامیاب فن کار شاعر ہو۔

نمونہ کلام

میرا انداز جنوں حاصل دانائی سے
تھکوا پاگل جو سمجھتا ہے وہ سودائی ہے

طعنہ وحشتِ دل لاکھ ہے جاتا ہوں

پھر بھی نہیں نہیں کے گذرتی مری تہائی ہے

قیصر بھوپالی

مومن کی طنزیات کینے قالب میں ڈھالا جائے تو قیصر بھوپالی کا مرتفع بن

جائیں گی۔

مولانا قیصر بھوپالی اپنے دور کے ماہر فن۔ ذی علم و استعداد شاعر تھے۔

انگریز پرستوں کے خلاف لطیف طنز کرتے ہیں بدِ طولی حاصل کھا۔ خطابات

کے امیدواروں کی دورِ دھوپ اور خوشامد پسندی سے انہیں چڑھ تھی۔

نمونہ کلام

یہ غرض ہے کہ ان کے کاموں کو

دیکھ لیں حاکمانِ عرش مقام

کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا آخر

یہ کئے جائیں گے جو یونہی کام

لاٹ صاحب کبھی تو پگھلیں گے

مفت خالص نہ جائے گا یہ سلام

قاضی خورشیدی علی

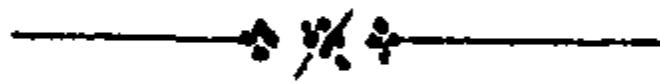
رتلام کے پڑانے شرفلو کی یادگار رہیں رخلوص و محبت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی۔
 زندگی حرام میں تیرا اور خواہ میں محبوب مانی جاتی ہے۔ بیونسپلیٹ کے مسلسل ممبر چلے آتے
 ہیں۔ بے غرض خدمت کسی کو مقابلہ پر آنے کی بہت نہیں دلاتی۔
 ہر سال دو ایک مشاعرہ منعقد کرانے میں دوستوں کے ساتھ تعاون و اشتراک میں ہمیشہ
 ذوق و شوق کا اظہار کرتے ہیں۔ مضبوط و مستحکم علم ہے۔ مطالعہ کی حدود روزانہ بڑھتی رہتی
 ہیں۔ اس کے شعر میں شہنگی نمایاں ہے۔

نمونہ کلام

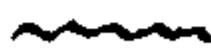
تنگ میخانہ وہ مے نوش رہے گاساتی
 تیری مھل میں جسے ہوش رہے گاساتی
 تو ذرا عام تو کر نشہ پھیائے نظر
 ہوش خود منتظر ہوش رہے گاساتی

مشائق - عبدالباسط

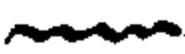
کر تہ پور ضلع بجنور کے رہنے والے ہیں۔ دہلی میں کلکتہ سے موٹر کے پیرا نے پرزے لاکر فروخت کرتے ہیں۔ چند سال تک دیوبند میں شرقی علوم بھی حاصل کرتے رہے۔ طبیعت میں ۲۷ بالی پن ہے۔ اچھے اشعار ادھر ادھر پھینک دیتے ہیں۔ اور ابھیں یاد کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔



نزاکتِ دل پر غم ارے معاذ اللہ
خوشی کا نام بھی سننا اے پسند نہیں
ہے تا جرانِ چمن سے جدا مزاج مرا
چمن کے پھول بھی چننا اے پسند نہیں



تیری تعمیر میں شامل ہے خوں میرے بزرگوں کا
تیری تخریب اے ہندوستان دیکھی نہیں جاتی



قمر گورداسپوری

مسٹر ریاض قریشی جو آج کل پاکستان میں کسی ممتاز عہدے پر فائز ہیں۔ پہلے امرتسر میں سٹی مجسٹریٹ تھے۔ انہوں نے دوران جنگ میں ہتھم بالشان مشاعرہ کیا اور ہندوستان بھر سے نامی گرامی شعراء کو بلایا۔ قمر گورداسپوری سے وہیں پہلی بار شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ خواجہ امیر مینائی سے شرفِ تلمذ ممٹا۔ سر عبدالقادر مرحوم کے اصرار پر جوٹل دہان سنائی اس کے چند اشعار میسر مایں محفوظ ہیں۔ اب زندہ ہیں یا نہیں اور کلام کا کیا حشر ہوا اس کے کے فنادات اس سوال کا جواب دیئے بغیر گذر گئے۔

نمونہ کلام

تین مڑے تودل کی چوٹ سے پھر زندہ ہو جائیں
 ہمارے موسوی ہے فانیہ معجز رقم میرا
 قمر موں کثرتِ عیبوں سے گر شرمندہ کامل
 ہر محشر رکھے گی رحمتِ یزداں بھیرم میرا

قمر واحدی۔ محمد ایوب خان

جے پور کے اساتذہ شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ جے پور میں جتنے نوجوان شاعر ہیں۔ ان میں سے تقریباً نصف کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ محمد ایوب خان نام اور قمر واحدی تخلص ہے اور جے پور کے شبینہ اردو کالج کے پرنسپل ہیں۔ جہاں درس تدریس کا سلسلہ بڑی کامیابی سے جاری ہے، جدید و قدیم علوم سے بخوبی آشنا ہیں۔ اردو فارسی کے ماہر ہیں، بہتہ خلیق اور ملنسار آدمی ہیں، پہلی ہی ملاقات میں، ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ ملاقاتی ہمیشہ احترام کرتے رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ملائق ترین شاگردوں میں مختار الرحمن راہی اور کیفی ایوبی کے نام پیش پیش ہیں۔ یہ دونوں بھی استاد کے دوش بردش شبینہ اردو کالج میں پڑھاتے ہیں۔ عزیزی اور کمال حسینی ان تینوں شخصیتوں سے بہت متاثر ہے۔ اور دوسروں سے اتنی تعریف کرتا ہے کہ وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جہاں تک قمر واحدی کی شعر گوئی کا تعلق ہے، بہت کہتے ہیں، خوب کہتے ہیں اور سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

آج تک پایا نہ عقل و ہوش نے جس کا نشان

بے خودی میں کس طرح وہ۔ بے نشان ہے سائے

وجود کہا ہے، عدم کیا ہے، زندگی کیا ہے

اگر خدا ہی خدا ہے تو پھر خودی کیا ہے

قریش میں قدوس

قلب العالم حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے مسند نشین رشد و ہدایت ہیں۔ دہرہ دن میں مطب فرماتے ہیں۔ زیرک۔ عالم اور بے ہوش شاعر ہیں۔ نظر پاکیزہ۔ دل عارفانہ ہے۔ راہ پر نصوص احباب کو جذبات قلب سنا دیتے ہیں۔ دنیا کی موجودہ بھینسیں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دن فرمایا۔ تزکیہ نفس کے بعد خدمت خلق کا وارث نہ تجربہ ہی کائنات کو نئے نئے نسوٹوں سے مامول رکھ سکتا نہ عقل کی گرہ کشائیاں۔ اس عقده کو اور لایعقل بنا رہی ہیں۔

ہمہ دست کے جاؤب قلوب را د کو عام لب و لہجہ میں سمجھا دیا جائے تو جنگ محبت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ پنجاب اور سندھ سے آئے ہوئے ہزاروں شرنا رتھی اُن کے معتقد ہیں۔ انہیں آدمیت۔ محبت اور خدمت کا خلق کا سبق ہر بات میں پڑھاتے ہیں۔ دل کی بات دل پر اثر کرتی ہے۔ اس لئے دہرہ دن میں اُن کا یہ آدمیت نواز سن کا مباب ہوا ہے۔ نئے ادبی رجحانات سے نفرت نہیں کرتے۔ اُن کو ناقابل اصلاح سمجھ کر پڑ محبت طرز اصلاح کو ششس کہتے ہیں۔

عریاں اغماز نگارش کو شرافت انسانی کی توہین کہتے ہیں۔

نمونہ عملام

ایک انسان کو انسانوں سے عداوت کیسی
آدمیت سے پھر انسان کی نسبت کیسی

سب میں ہے ایک تو پھر باہمی نفرت کیسی
آدمیت کو سکھائے جو نہ الفت کے اصول

جگدیش بھارتی

دھا پیورہ ضلع بجنور مقام پیدائش - ہوتے جوان تو مرنے لگے حسینوں پر
 نفس نفس میں سوز عشق ہے۔ قدم قدم پر آنکھوں کی مٹی افسانہ فراق
 ترتیب دیتی رہتی ہے۔ اردو بالکل نہیں جانتے۔ لیکن اردو ادب
 و شعر سے انہماک پورے طور پر حاصل ہے۔ غزل بندیا عروفا
 میں کہتے ہیں۔ آواز میں فنکارانہ رس موجود ہے۔ جب گنگنائے
 ہیں تو فضاؤں پر چھا جاتے ہیں

—:—:—

کنے چھٹرا ہے آج دیکھ راگ
 دل کا ہر داغ بن گیا ہے چراغ
 ان کے چہرے کو چوم آئی ہے
 عرش پر ہے مری نظر کا داغ

کیفی - محمد ذکی

خالص شرمی ماحول کا آ زادش نوجوان بسینہ میں غلش عشق - چہرہ ہمیشہ ویشاش
نارنگی لاہور میں نیلا گنبد کے قریب احارہ اسلامیات کے نام سے کتابوں کی بہت بڑی دکان
ہے - ان کا ذہن کتابوں کا جاذب ہے - لائقہ اور ذخائر علم و ماغ میں محفوظ ہیں -

غروب آفتاب کے بعد "کاروباری" زندگی سے یکسر الگ ہو کر علمی - ادبی - تاریخی
اور شعری سخن کی محفل گرم ہوتی ہے -

شعر خوب ہی نہیں خوب تو کہتے ہیں - احسان دانش اور کلیم عثمانی ان کے خاص رفعا
ہیں شمار ہتے ہیں - احسان سے ہر پڑھا لکھا واقف ہے -

"ذکا" کا یہ حلقہ فکر و خیال ہے جس میں وہ پر کیفیت غزل کو زرب قرطاس کرنے
کا رنگین تصور پیدا کرتے ہیں - دستوں کے پیہم اصرار پر بھی کلام کو جمع نہیں کرتے اور اس
بے نیازی میں بھی وقار و تکنت کے لاکھوں ناز چھپائے ہوئے زندہ ہیں -

نمونہ کلام

نوازشاتِ نغافل کا شکر یہ کیفی

ہیں تو لوگ بہت دلناز کہتے ہیں

غزل کے رنگ میں کیفی نہیں فکر سخن

ہم اپنے دل سے محبت کا راز کہتے ہیں

کنفی ایوبی ہے پوری

فضل الرحمن نام کنفی تخلص۔ حافظ محمد ایوب نمر و امیری کے شاگرد ہیں۔ اسی مناسبت سے ایوبی بھی اپنے تخلص کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اس وقت ۲۵، ۲۶ سال کی عمر ہے اس کے باوجود رنگون، ملایا اور افریقہ کا سفر کیلئے ہیں، جو اہرات کا کاروبار کرتے ہیں۔ جتنے اپنے کاروبار میں ماہر ہیں۔ اتنے ہی سوچ سمجھ کر سفر کرتے ہیں۔ کم بختی ہیں مگر خوب کہتے ہیں۔ بہترین دوست بنانے اور بننے کی صلاحیت بے پناہ رکھتے ہیں۔ مختار الرحمن راہی ان کے یارِ غار ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جے پور کی ادبی محفلوں کے لئے ان دونوں کا دمِ عنایت ہے۔

نمونہ کلام

چلا جا رہا ہوں دوشِ جنوں پر غمِ زندگی کا جوازہ اٹھا۔

کیا منزلِ مقصود پہ پہنچے گا وہ رہڑ جس نے کہ نرا نقشِ قدم چھو دیا ہے

سمجھ ہی میں نہ آیا ابے خدا تیری خدائی میں
ترسے بندوں کا یہ طرزِ مذاقِ زندگی کیا ہے

کیفی بریلوی

محکمہ بریلویسے ہیں نوکر ہیں۔ عمر اس وقت ۲۵ سال ہوگی۔ خوب کہتے ہیں منتظر
پڑھتے ہیں۔ مشاعرہ کی جان کلمے چلتے ہیں۔ غزل کا خاص فکر حاصل ہے۔ دکش
کو غاز حسن انجام کی خبر دیتا ہے۔ طبیعت میں پندار بالکل نہیں۔ بریلی کے باشندے ہیں۔

نمونہ کلام

شراب و شعرونغمہ۔ حسن و مستی
مرکب ہے ان اجزاء سے جو انی
مری تائید پر مجبور ہوں گے
کبھی وہ سن تو لیں میری کہانی

گوہر۔ دیکر پشاد

دلی کے قدیم شرفاء کی قابلِ فخر یادگار ہیں۔ ۳۸ سال کی عمر میں فنِ کارانہ تجرباتِ کلام حاصل ہیں۔ جواہرات کی شناخت میں ملکہِ تامہ پہلے ہی کھا۔ زبان و محاورات کے خزانوں سے بھی کافی آشنا ہیں۔ آغا ساعر دہلوی مرحوم کے جن تلامذہ کو فارغِ علیہ کمال کی نکالی زبان کا جانشین سمجھا جائے گا۔ گوہر ان سب میں ممتاز نظر آئیں گے۔

قدیم رنگِ سخن کو باقی رکھتے ہوئے نئے رجحانات سے بے خبر نہیں رہتے اور انہیں بے ساختہ نظم کر جاتے ہیں۔

ماضیِ عمدہ تھا۔ عالیٰ پُرامید ہے اور مستقبلِ روشن۔

نمونہ کلام

کسی صورت سے ہوابِ اُن سے شرخ آرزو ہوگی
 زباں مجبور ہوگی تو نظر سے گفتگو ہوگی
 کسی کو آج تک دیرِ حرم میں ڈھونڈنے والے
 کہاں تک اور توہینِ مذاقِ جستجو ہوگی

عزیز ہنٹوری

خوش رو۔ خوش فکر اور خوش گلو شاعر ہیں۔ ہنٹور
ضلع بھنور میں احسان بن دانش کی مزدور شاعری کے نقوش
اپنی کاشتکاری میں سمونے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی غزل میرے پاس
اصلاح کے لئے بھیجتے ہیں تو میرے محوسات پر اپنی قابلیت
کا سک بھی جما دیتے ہیں۔



وہ بنے میری آرزو کے دئے

جن چراغوں میں روشنی نہ رہی

اے عزیزان کے پاس آتے ہی

زندگی میری زندگی نہ رہی

گرامی - ابوالاحد نور

صوبہ بہار کی قومی وزارت کے رکن ہیں۔ تخریک حریت سے زندگی لپکتی رہی۔ گفتار کم۔ کردار زیادہ۔ جن قوم پرستوں کو وہ "مورخ حریت" نمایاں جگہ دے گا۔ ان میں نور صاحب کا نام بھی آتا ہے۔

پٹنہ کی سیاسی۔ ادبی اور علمی مجلسوں میں راج محل انہیں کی ہوتی ہے۔ کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ شاعر بھی ہیں۔ کلام میں پختگی۔ جذبات میں نفاست و ندرت ہے۔

نمونہ کلام

دشمنِ حلقہٴ غلامی ہوں	زلفِ آزادی وطن کا اسیر
قابلِ فخر ہوں گرامی ہوں	صفا اہلِ ادب میں شکرِ خدا

گل - فیاض الدین

کوچہ میر حاشق دہلی میں مکان ہے۔ محلہ کا اثر طبیعت پر غالب ہے۔ عشق کی پرسوز کیفیات کو ہونٹوں کے تقسم میں چھپانے پر قادر ہیں۔ شگفتہ طبعی کے باعث غم و الم کو دل سے دور رکھتے ہیں۔ جناب عبدالغفار صاحب مفتوں ان کے چھو پھلتے۔ ان کی پھوپھی بھی قابل قدر شاعرہ تھیں۔ گل کا حافظہ بمثال ہے۔ اچھا شعر بلا تکلف یا ر ہو جاتا ہے۔

جامع مسجد پر "حاجی ہوٹل" گل صاحب کا وسیلہ معاش ہے۔ خاندان دورِ خلیفہ کے نوامین کا پس ماندہ ہے۔ اس لئے گل کے مزاج پر "پرانی ریاست" کا اثرات ابھی تک طاری ہیں۔ شاہ خراج طبیعت پائی ہے۔

نمونہ کلام

ایسے بھی کچھ لوگ دیکھے ہیں نگاہوں نے مری
 جن کا دنیا میں بظاہر آسرا کوئی نہیں
 عشق کے آواز سے گھبرا رہے ہو گل ابھی
 یہ وہ منزل ہے کہ جس کی اتہا کوئی نہیں

گوتم - موہن لال -

سنہ ۱۹۱۶ء کے ابتدائی دنوں میں علیگڑھ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے
کسان گھرانے کی سادگی۔ ملنساری اور عام اخلاقی زندگی آج تک وابستہ حیات ہے۔
مٹھوس علمی قابلیت انھیں اپنا امام مانتی ہے۔ سیاسی اُتار چڑھاؤ کے ہر موڑ سے آگاہ
رہتے ہیں۔ دوستوں میں محبوب اور دشمنوں میں مقبول رہ کر جی رہے ہیں۔ زندگی اُن
کی اپنی ہے اور ان کے ساتھ حق نباہتی رہتی ہے۔

آزادی کے لئے جب قربانی کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بلا توقف اُسے
لبیک کہا۔ اپنی عمر کے لحاظ سے قربانیوں کی وسیع تاریخ مرتب کرنے پر وقت کے
ہر موڑ کو مجبور کر دیں گے۔ کبھی کبھی شرعی کہہ لیتے ہیں۔

نمونہ کلام

گوچہ میں اُن کے جا کے کیا پھر مجھے ذلیل

کہنے کو میرے دل نے نہ مانا بڑا کیسا

اب دوست میرے دپے آزار ہیں تو کیا

میں نے تو دشمنوں کا ہمیشہ بھلا کیا

لکنت آفندی

اوکاڑہ منڈی میں آج کل کپسے ڈکی دکان کرتے ہیں۔ ضلع فتحپور کی تحصیل مہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ پاکستان کیوں گئے اس سوال کا جواب اُن کے نمونہ کلام میں ملے گا۔ مرزا غالب کے شاگردوں کی تحقیق کا سلسلہ ابتدا جاری ہے۔ خدا جانے کہاں کہاں سے اُن کے پتے۔ غزلیات کے نمونے۔ اصلاح کے خاکے اور حالاتِ زندگی فراہم کئے ہیں۔ اللہ کیے وہ بہت جلد اپنی کاوشِ ادب کو ادبی دنیا سے روشناس کرا سکیں۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے فدائی ہیں۔ غبارِ خاطر کے ہر فقرے پر دو کردار کا غبار آنکھوں کی راہ سے دامن تک پہنچا دیتے ہیں۔

نمونہ کلام

اس سے بہتر تو خزاں تھی کہ چمن ہی میں تو کھتے
ہائے افسوس بہاروں میں چمن چھوٹ گیا

اب غریب الوطنی ماصلِ عمرِ غم ہے
کیا کہیں آپ سے کیوں اپنا وطن چھوٹ گیا

ہماویرتیاگی

بجنور میں پیدا ہوئے۔ دہر دون میں پڑھے۔ آزادی وطن کے نعرے سن کر ایسے چونکے کہ آج تک عمل کی آنکھیں خواب آشنا نہ ہوئیں۔
 گاندھی جی جن سپوتوں پر فخر کرتے تھے تیاگی انہی میں سے ایک ہیں۔ وہ والٹیر اور دزیر دونوں حالتوں میں انکسار کا ساتھ دیتے ہیں ۱۹۳۶ء میں دماغ پر اگنہ نہیں ہوا۔ بربریت کے مقابلہ میں اپنی ذاتی پولیس فورس بنائی اور مظلوموں کی امداد کا حق ادا کر دیا۔ اگر وہ جیل میں میرے ساتھ تھے۔ اتفاقاً مرحوم حکیم مصطفیٰ خاں مداح عرف احمق بھی رفیق زنداں تھے۔ جیل میں مشاعروں کا سلسلہ تیاگی جی اور احمق ہی کی بدولت شروع ہوا۔ ہر اتوار کو بزم مشاعرہ منعقد ہوتی تھی۔ انسانی برادری کا جوڈھانچہ ہم قیدیوں نے بنایا تھا۔ کاش آج کی آزاد فضاؤں میں کوئی اس کا نمونہ تیار کر سکے اگر یہ نقش ثانی بہتر نہ ہو تو کم سے کم نقش اول جیسا تو ہو۔

رفیق احمد قدوائی بہت گہرے سیاستدان اور نفسیات کے ماہر تھے۔ تیاگی جی کی خوبیاں ان پر مکمل واضح تھیں۔ اس لئے تیاگی جی کو اپنی رازدارانہ حیات کا ایک رفیق بنائے رکھنے میں انھیں کبھی پس و پیش نہ ہوا۔

یوپی کانگریس کمیٹی میں اُردو ہندی کے مابہا ل نزاع اور میں تیاگی جی صاف اور غیر مبہم الفاظ میں گاندھی جی کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا اور کبھی ایسی فضا نہیں پیدا ہونے دی جس سے کسی کو شکایت کا موقع مل سکے۔

۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیانی ایام میں لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ ایس۔ یوس کے یہاں ادبی نشستیں ہوتی تھیں۔ میں مولانا احمق۔ تیاگی جی۔ ڈیکٹیٹور۔

نوائن تو اسی۔ موہن لال گوتم۔ سردار جو گند رنگہ جمع ہو جاتے تھے اور نصف شب تک
شعر و سخن کی مجلس گرم رہتی تھی۔

آگرہ جیل میں ایک طرحی مشاعرہ ہوا۔ تیاگی جی نے مطلع کہا۔

دھشتِ دل کا یہاں بھی کوئی ساماں نہ ہوا

آگرہ جیل میں پھوٹا سا بیاباں نہ ہوا

مولانا آحق نے فرمایا

خبطِ گیسو ہوا عشقِ رنجِ جاناں نہ ہوا

شکرِ مددِ شکر کے پیش ہوئی یرقاں نہ ہوا

کھایا جس نے کبھی جیل کا بھلا آحق

پھر وہ صاحبہ سے ٹٹن چاپ کا خواہتا ہوں

مسافر۔ کیانی گورکھ سنگھ

بحریاست کے پٹانے شہنشاہ۔ شاعر اور صاحبِ سوز و گداز شاعر۔ لاہور میں
جب تک ہے ہر سال شہنشاہ شاعرہ اور کوی دربار کرتے تھے۔ میرے جیل اور ریل
دونوں زمانوں کے بزرگ ساتھی ہیں۔
اب پارلیمنٹ ممبر ہیں۔ امرتسر میں رہائش اختیار کی ہے۔ زیادہ تر دلی
میں رہتے ہیں۔

نمونہ کلام

مسافروں پر عزم و عمل کا
یہ دولت نام ہے جس کا محبت
وطن پر جان دینا زندگی ہے
مجھے اپنے بزرگوں سے ملی ہے

فریدی پروفیسر مغیث الدین

فیچور سیکری کے باشندے ہیں حضرت شیخ سلیم چشتی کی قابل فخر اولاد ہیں علم و ادراک اور فہم و شعور کی بلندیاں نصیب ہیں۔ سینٹ جانس کالج آگرہ میں خدمتِ تعلیم پر مامور ہیں۔ متانت و سنجیدگی کے سبب تقاضے ان کی زندگی پورا کر چکی ہے۔ نظم و غزل دونوں سخن پر عبور کامل حاصل ہے مطالعہ کی وسعتیں افکار و خیالات کو نکھار کر اس سطح پر لے آتی ہیں جہاں "حیات و کائنات" انھیں مزاجِ عقیدت پیش کرتی ہیں۔ مبصرِ تنقید ہیں۔ نقد و تبصرہ کے معاملہ میں مزاجِ کابلے لاگ پن بھی ساتھ نہیں چھوڑتا منصفانہ رائے کا اظہار دلوں میں احترام کی جگہ پیدا کرتا ہے۔ اشعار میں تجدد کی آمیزش غزل کے نئے معیار کو اونچا کر رہی ہے۔

نمونہ کلام

غرور بکیسی نے سی دئے لب گھٹ گئیں آنکھیں
تمہیں آواز دینا چاہتی تھی میری تنہائی
وہ بغیر لفظ کے شرحِ غم جو نظر نے دیکھو سنائی تھی
مرے لب پہ اب بھی نہ آسکی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مضطر مارہروی

چودھری عشرت حسین نام۔ مضطر تخلص۔ مارہرو وطن مالوہ ضلعہ میں پیدا ہوئے۔ کتب و مدرسے سے آغازِ تعلیم ہوا اور ملی اسکول پر ختم ہوا۔ علم کی بنیادیں ذہن میں مضبوط تھیں۔ اس لئے حضرت احسن مارہروی مرحوم اور مولانا دلیر مارہروی کی صحبتوں میں ذوقِ سخن سنجی نے انگڑائیاں لیں۔ ہر شعر زبان کی چاشنی اور غزل کا مزاج کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

نمونہ کلام

مزادے رہی ہے غلش کچھ اب اسکی ✓

جو حسرت کا تقادل میں خار اول اول

انھیں جذبِ دل پہ کھنچ لایا ہے مضطر

کشیدہ رہے جو ہزار اول اول

مونس بہاری لال

کڑھ مداری خاں آگرہ میں ساکن تھا۔ پُرانی کتابوں کی خرید و فروخت ذریعہ معاش تھا۔ مذہباً جینی تھے۔ مکتب کی تعلیم نے خالص ہندوستانی تہذیب و معاشرت سکھائی تھی۔ مغربی تمدن طبعاً ناپسند تھا۔ پُر اسی غریبوں کی دیکھ بھال فرض جانتے تھے کسی کے دل کو ذرا سی تکلیف پہنچتے دیکھتے تھے تو بے چین ہو جاتے تھے۔

منشی ہرگوپال تفتہ کو کلام دکھاتے تھے۔ پُر نے خانی کاغذ پر علی حروف میں اپنے قلم سے لکھا ہوا اُن کا قلمی دیوان سکندر آباد ضلع بلند شہر میں جہاں مرزا تفتہ کی حکومت تھی۔ منشی ہری ہرناتھ آفتاب نے پاس موجود تھا۔ گذشتہ سال۔ اڑی ۱۹۵۰ء تو دن بھی مرچکے۔ ہندو خاں صاحب سونپیل کشن سکندر آباد نے مونس کے کلام کا اقتباس اپنے مطالعہ کے لئے رکھا تھا۔ اُنہیں کی ہربانی سے یہ نونہ حاضر ہے۔

— میری چشم شوق کا مونس بھلا کیا ذکر ہے

اُن کے جلوؤں کا ہے گوارہ گناہ آرزو

— سچو جبرت ہو گیا اُن کے مقابل آئینہ

اُن کی صورت جس میں ہے وہ ہے مراد دل آئینہ

میر (ولی اللہ)

ایبٹ آباد صوبہ سرحد میں وکیل ہیں۔ علیگڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ عمر خیام پر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے مشہور نہیں۔ تنقیدی نگاہ میں ہے۔ شعور کی بیداری نے انکار کو جگا کر جہالت، افروزہ طرز بیان اختیار کر لیا ہے۔

نمونہ کلام

باندھ رکھی ہے، اک ہوا میں بنے
میسری ہستی جبابگی سی ہے
آج ہر بات پیرما حب کی
مست جام شراب کی سما ہے

منظور۔ ملک زادہ احمد

بہر و نر بھئی قلع فیض آباد جائے پیدائش ہے۔ ٹانڈہ قلع فیض آباد میں پروان پرانے
گورکھپور میں مغربی علوم کی اعلیٰ تعلیم پائی۔ آج کل شمالی ڈگری کالج اعظم گڑھ میں
انگریزی ادبیات کے پروفیسر ہیں۔ شعری شعور پاکیزہ ہے۔ نئے ادب اور اس کے
روحانات سے باخبر ہی نہیں فاضل انشا پرداز بھی ہیں۔
تجدید فکر سے کام لے کر جو کچھ کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔

نمونہ کلام

میں وہ فن کار ہوں تخیل کے آئینے میں
حسن افکار کے سوزنگ بھرے ہیں سینے
حسن کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا
عشق پر اپنے ہی الزام دھرے ہیں سینے

مختصر لکھنوی

آبائی وطن لکھنؤ ہے۔ سدیوں میں ملازمت کرتے ہیں۔ خوش فکر خوش کلام اور خوش آواز شاعر ہیں۔ لکھنؤ کا خاص مزاج شعر زندگی کو اسلوب بیان بخشتا ہے۔ زبان و فن سے گریزاں ہو کر شعر نہیں کہتے۔ آغازِ عشق ہی سے بلند انجام ہیں۔

نمونہ کلام

یہ لبوں کی مسکراہٹ کلی کا ہے تسمیم
جو نظر سے مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی
اے مصیبتوں سے تھی حین بہارِ گلشن
یہیں اشیاء بناتے تو کچھ ادباً ہوتی

محمود آفندی

نام محمود احمد خاں۔ تخلص محمود آفندی، پیدائش کی تاریخ جہاں تک میرے علم میں ہے ماہ نومبر ۱۹۰۵ء ہے۔ سکونت علیگڑھ بالائے قلعہ۔ غالباً۔۔۔ ۱۹۲۲ء میں شکرگنا شروع کیا۔ ابتدا میں چند غزلوں پر حضرت محمد حسین صاحب قمر جلالوی نے اصلاح فرمائی تھی اور پھر مولانا حمید اللہ بیگ صاحب ماہر دہلوی۔ سے اصلاح لیتے رہے۔ درمیان میں تقریباً دس سال تک اپنے کاروباری انہماک اور مصروفیتوں کی وجہ سے شعر و ادب کی دنیا سے دور رہے۔ ۱۹۳۷ء کے بعد چند کرم فرماؤں کے تقاضوں سے مجبور ہو کر پھر اس طرف طبیعت کا میلان ہو گیا ہے۔ اور اب اصنافِ سخن میں صرف غزل ہی نہیں بلکہ رباعیات و قطعات وغیرہ اور کبھی کبھی نظم بھی کہتے ہیں۔ نموناً کچھ شعر پیش خدمت ہیں

نہجے عرضِ غم کی جرات کبھی عمر بھر نہ ہوتی تری چشمِ ملفت نے سے جو صلے بڑھائے

سُخوفِ رسوائی محبوب سے مجبور رہا ورنہ یہ ہاتھ تو پہنچا تھا گریبا کے دریا سے

بجودی ہم کو خدا جانے کہاں لیجاتی خیر گزاری کہ دریا سے آگے نہ گئے

مستے دہر میں تشریحِ طلب اور بھی تھے ہم حدیثِ لب درخشاں سے آگے نہ گئے

خودی کو بیچ کے پینے کے ہم نہیں قائل ہزار زندگیوں سے لاکھ تشنگام بھی

مسلم انصاری گورکھپوری

ریلے کی چھوٹی لائن کے شعبہ اسٹور میں ملازم ہیں۔ گورکھپور وطن ہے
 ”دائرہ ادب“ کی روح رواں ہے۔ کلام میں ندرت و نفاست ہے۔ حسن صورت اور
 حسن صوت دونوں سے مالا مال ہیں۔ حسن سخن کی بلند نعمتوں سے بھی محروم نہیں۔ لفظوں
 کا مزاج پہچان کر ”مضمون“ کو شگفتہ اور روح نواز بناتے ہیں۔

نمونہ کلام

ہے مجبور کچھ ساقی اگر جرات ہے رندوں میں
 کہ تہور دیکھ کر گردش میں پیانا بھی آتا ہے
 تلوں کو اس لئے ہم پیار کر لیتے ہیں اے مسلم
 کہ تاریخِ حسرم میں ذکرِ بخانا بھی آتا ہے

مصر پر بھاگ کر کنھیالال

دیوبند میں پیدا ہوئے۔ سو میں کسمسکرت و دیالیہ میں پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔ شروع ہی سے مہمانِ وطن کے اونچے طبقہ میں شامل ہیں۔ انسانی کردار اُن کی سرشت میں داخل ہے۔ انھوں نے محبت اور برکتوں سے بھلائی اُن کا شعار ہے۔ اپنے زمانے میں ہندی کے بے مثال ادیب صحافی اور شاعر ہیں۔ ہندی رسم الخط میں اُردو کی غزل بھی کہتے ہیں۔ اللہ کے کتابوں کے مصنف ہونے پر بھی شہرت پسند نہیں۔ پڑھے لکھوں کے محدود حلقہ سے باہر اُنہیں کم لوگ جانتے ہیں۔ اگر رائے شماری کے خانے میں ولایت تبدیل کرنے کا قانونی حق مل جائے تو وہ اپنے والد کی جگہ اُن کے پیدائشی گھر کا نام لکھوں اور وہ اپنے والد کی بجائے اپنی ولایت کے خانے میں میرے والد کے اندراج سے محبت کے بھرپور جذبات کی تکمیل سمجھیں۔ میں انھیں بڑے بھیا کہہ کر ہی مخاطب کرتا ہوں۔ وہ بھی ایک حقیقی بڑے بھائی کی طرح پیش آتے ہیں۔

گاندھی جی کی عملی فلاسفی کو مشعل راہ بنا کر زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں۔ غریب اور امیر کا کوئی امتیاز اُن کے گھر میں نہیں ملے گا۔ وہ سب کے رفیق اور سب کے خدمت گار بھی ہیں۔

نمونہ کلام

محبت کو مذہب سمجھ کر بٹے جا	ہمیشہ ہی کارِ خدمت کئے جا
بھلوں سے بھلائی تو عادت ہو لیکن	بڑوں سے سبھی دادِ شرافت لئے جا

مسعود اختر جیات

حیدرآباد دکن کے آسمانِ ادب پر طلوع ہوئے اور حیدرآباد سندھ میں غروب ہو گئے۔ حدیثِ گل و بلبل میں مشاہدہ حق کی دلکش گفتگو کرنے کا سلیقہ ان میں موجود تھا صوفی فکر کوش اور عالم دین فروش سے بیزار تھے۔ دیمو سوسم کا ربط قدیم آج بھی نہیں دعوتِ انسانیت دیتا تھا۔ جیہ تک دم میں دم رہا۔ ہندوستان کی یاد دل سے نہ گئی۔

مولانا قدرت اللہ صاحب استاد عربی کاچی گوڑہ ہائی اسکول کے نام کبھی کبھی جو خطوط آتے ان میں حب الوطنی کا احساسِ غم شدت سے جھلکتا تھا۔

نمونہ کلام

جنوں میں علاج جنوں کس نے دیکھا
چمن سے نکل کر سکوں کس نے دیکھا
مرے خندہ لب کو سب دیکھتے ہیں
مرے دل کا سوزِ دروں کس نے دیکھا

منور مراد آبادی

منور علی خاں نام۔ منور تخلص۔ آبائی وطن مراد آباد ہے۔ والد ماجد مضبوط عقیدے کے ذہنی تھی۔ لیکن شور نے اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق انگریزی تعلیم حاصل کی۔ علیگڑھ سے انجینئرنگ کلاس میں کامیاب ہوئے اور اب روس جا رہے ہیں۔ وہاں اپنے مشغلہ علم کے مطابق تحقیقی حدود کو بڑھا رہے گے۔ شعر و سخن جو روحیات ہے۔ ابھی انٹرنس میں ہی تھے کہ سبائے پدر سے محروم ہو گئے۔ مختلف طریقوں کے سہارے پڑھائی جاری رکھی۔ اور غیور طبیعت کے دامن پر کسی کا داغ احسان نہیں لگنے دیا۔ عمر شباب کے اولین مراحل طے کر رہی ہے۔ مگر شعری شور بجز بہ کارا نہیں ہے۔

نمونہ کلام

جو جلائے برق جلائے جا میں بنائے جاؤں گا اشیاں

مجھے اپنے کام سے کام ہے مجھے اپنے کام سے کام ہے

میں کس سے کروں گا۔ کیا مجھے بختِ خفتہ سے کام ہے

جیسے لوگ کہتے ہیں زندگی وہ حوادث کا نام ہے

منظور۔ احسن اللغات

تنگی ضلع مروان صوبہ سرحد نے رنگین بہاروں اور پر کیف ایشادوں کی گود میں اُنھیں جنم دیا۔ ماوری زبان پشتو تھی۔ کلاب رنگ عارض۔ رنگسی آنکھیں۔ محشر سراپا قامت۔ بسا اوقات آئینہ سلنے رکھ کر اپنے حسن پر خود ہی فدا ہوتے رہتے ہیں۔ ضامن کس نگاہ کی چوٹ کھائی اور اپنی متاع حسن اس پر قربان کرنے میں کوئی تردد نہ کیا۔ حسن جب خود شکارِ حسن ہوتا ہے تو شرابِ دو آتشہ بن جاتا ہے۔ فارسی تنگی ہی کے کسی مکتب میں پڑھی۔ زندگی کی داخلی چوٹیں فارسی غزل کے خارجی روپ میں ابھریں۔ مولانا تقی عبدالرحیم پوپلز کی مشہور مجاہدِ وطن سے اُردو سیکھی اور اس زبان میں بھی چند نظمیں۔ کچھ غزلیں اور قطعات سپردِ قلم کئے۔

جارہ حبِ وطن کے سرگرم سپاہی تھے۔ برطانوی فوجوں کے ایک کیمپ پر حملہ کئے ہوئے شہید ہوئے۔

نمونہ کلام

سخت دل قوم کا نر زند ہوں لیکن میں نے
اعتقادِ دلِ مہتاط کا عالم دیکھو

حسن نازک کی حسین چوٹ جگر پر کھائی
غم پہ غم سہر کے بھی ہونے ہی نہ دی سوائی

مخدوم ملک

کاغان کی حسین دادی میں جہاں ہزاروں مجاہدین وطن کے لہو سے سینہ کوہنے
گلگیزی کی صلاحیت پائی۔ قاغان عبدالملک کے یہاں مخدوم ملک تولد ہوئے۔

کشمیر۔ سرحد اور پنجاب کی مرکزی سرحد مجموعی اعتبار سے حسین خیز بھی ہے
اور حسن ریز بھی۔ قدرتی چٹے باب بجا کر کیف و سرور کی خاص نصیب تیار کرتے ہیں۔ زندگی
مجسم نعمت بن جاتی ہے اور ہوا کی نرم خرام موجوں کے درمیان نشاط جادواں۔ عروس
بہار بن کر آمادہ رقص ہو جاتا ہے۔

طیور ان سحر کے چہچہے۔ صویر طرب کھونکتے ہیں۔ پوری دادی خواب سے

بیدار ہو کر رباب بہشت کی نصیر بن جاتی ہے۔ مخدوم ملک نے ماں کی گود ہی سے

قدرت کی بے نقاب نوازشوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ جوان ہو کر انھیں اپنایا اور

ایک جیتا جاگتا رومان نظر آنے لگا۔ گلہ بانوں کی خلد زاد لڑکیاں اسی سے سرگوشیاں

کی اجازت مانگتی تھیں۔ وہ ان تصویروں سے اپنی حیات کا البم سجا کر شاعر کے

فکر جمیل کو عنوان منظم دیتا تھا روز ایک نئی گدگدی اس کے جذبات میں ہوجان پیدا

کرتی تھی۔ شریف ماں کی تربیت نے عہمت کے خزانے بے محل لٹانے کی ادا نہیں کھائی

تھی۔ اس لئے اہصاب کے ہر اکھبرتے ہوئے طوفان کو اس زبان کا منتقل کرنے کی

کوشش کرنا تھا جو اسے مولانا عبدالمنان کی شفقتوں نے دی تھی۔ مختصر سے ریاض کے

بعد وہ شاعر ہو گیا۔ خود حسین تھا۔ حسینوں کے چہرے میں نظروں کی پیاس بھجانا رہتا

تھا۔ اس لئے غزل کا سا دکار ماحول سمٹ کر اس کے تخیل کی جان بن جاتا تھا۔ جب

وہ اسلام آباد کا لچ پشاور میں داخل کیا گیا تو سامان سفر میں وہ بیاض بھی تھی بے

وہ یادگار کا خان کی صورت میں اپنے سے جدا کرنے پر قادر ہی نہ تھا۔ پشاور ہی کے ایک مشاعرے میں اُس کا کلام مستند۔

نمونہ کلام

زندگی حسن بھی ہے حُسن کا پیغام بھی ہے
بادکے ناب بھی ہے تشوے بے نام بھی ہے
پینے والا ہے نگاہوں سے اگر زند کوئی
کوثرستانِ محبت کا جس جام بھی ہے

مطرب لکھنوی

زندگی تخلص سے الگ ہے۔ شرافتِ طبیعی اور خاندانی ہے۔ شادی ترکہ آبار ہے ادب اور زندگی کی ہم آہنگی نے بلند پرواز کر دیا ہے۔

خاموش اتنے ہیں کہ بسا اوقات ان کی خاموشی پندار کا دوسرا نام بن جاتی ہے نام اخلاقِ وسیع۔ تعلقات محدود۔ کم گو مگر خوش گو۔ ناقدِ شناس و بیا کے شاکی پچھلے دنوں تپِ دق میں مبتلا تھے۔ فوری توجہ نے موت سے فی الحال بچا لیا۔

میرے پاس لکھنؤں بیٹھے ہیں۔ میں ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کا غنظر رہ کر تھک جاتا ہوں۔ غزل میں مین لب و لہجہ استعمال کرتے ہیں۔ نعت خوب کہتے ہیں اس صنفِ کلام کو مقصدِ حیات بنا چکے ہیں۔ کبھی کبھی لغت کے اشعار میں روحِ حسان جھلکنے لگتی ہے۔ زائرِ حرم حضرت حمید صدیقی ریاری پاک کی مسلسل زیارتوں کے باعث مداحی رسول کے عالم تک پہنچتے ہیں۔ دصالِ شدت ہجر کو کم کر دیتا ہے۔ مطرب عائن ہجور ہیں۔ اس لئے ہر مصرع کرب۔ اضطراب اور سوزِ حیات کا رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ حمید صدیقی کے کمالات سے کس کا قرادب کو انکار ہو سکتا ہے۔ وہ خود ایک پُر کیف رباعیت ماحولِ عشق ہیں۔ مطرب اپنی انفرادیت کے لحاظ سے اگلے دور میں کہاں جائیں گے۔ ادب و شعر کے مورخین مستقبل سے اس کا جواب پوچھیں گے

میری دعا ہے کہ "مطرب" انسان سے گریز کو انسانیت سے گریز تک نہ

پہنچا دیں اور اپنی صلاحیتوں سے وطن کو بیش از بیش فائدہ پہنچائیں۔

نمونہ عکلام

دلخیز غم میں سرت کے ہیں عالم کتنے جانے ایشکوں میں فردوسِ رحیم کتنے
ذوقِ نظارہ بھی مجروحِ یقین نہ ہوا میری نظروں نے کئے جلوے فراہم کتنے

حسن اور عشق نے فراہم کی
صبح پھولوں کی راتِ شبنم کی

نسیم کھنوی - (رشن آرا)

باشعور - ذی ہوش اور سنجیدہ نگار شاعرہ ہیں - پیار کی بیوفائیوں کا گلہ
بڑے خوبصورت انداز میں کرتی ہیں - ادائے شعر میں آواز کا زیر و بم دل ہی
نہیں رُوح کو بھی متاثر کرتا ہے - زم الفاظ میں شیرینی مطالب کو ادا کرنے کی خوبی
انہیں کبھی نہیں مرنے دیگی -

نمونہ کلام

میری شکستِ دل کوئی میری شکستِ دل نہیں
منتقل ایک خودش ہے سینہ روزگار ہیں
نالہ و پاسمیں تو کیا لوٹ لیا چین تو کیا
ہم بھی تمہیں دکھائیں گے جی کاسی بہار میں

سیم ہتکاری

کان پور کے اس مشہور کاسٹم خانہ خان کے فرد تھے جس نے یگانہ عصر و حتی
 کانپوری کو جنم دیا اور سنہا جیسے ہونہار۔ زیرک۔ فن کار شاعر کو پروان چڑھایا۔
 سنہا لکھنؤ میں پروڈیوٹرز کو برسر کار لگانے کے لئے سرکاری قیما دار ہیں۔
 سیم وزارت محنت میں اسپیکر کے عہد پر فائز تھے۔ چہرہ ہر وقت ہنستا رہتا
 تھا۔ موسم بہار کی تازگی نظروں پر نثار ہوتی تھی۔
 خدا جانے زندگی نے کون سا داخلی زخم کھایا تھا کہ آواز شباب سے آشنا
 ہوتے ہی مالِ حیات تک پہنچ گئے اور ہمیشہ کے لئے اپنی قابلیت۔ شعری صلاحیت اور
 ادبی اعلیٰ معیار کی کو اپنی یاد کا مرقع بنا کر چلے گئے۔

نمونہ کلام

خدا کرے کوئی سمجھے نہ میرا رازِ حیات
 غمِ حیات کا پردہ ہے خود ہستی میری
 جو میں نہ چاہوں تو کوئی بھی نہ پائے گا پتہ
 ہے کس مقامِ محبت پہ زندگی میری

نجم۔ (جملہ حسنین)

جانسٹھ ضلع مظفر نگر وطن تھا۔ کربلا سے معالیٰ کی زیارت کو گئے تو واپس نہیں آئے۔ ۱۹۳۳ء میں وہیں انتقال فرمایا۔ شعر گوئی کا شوق ترقی کر کے کرتے علات تک پہنچ گیا تھا۔ قصائد۔ مرثی اور سلام زیادہ لکھے۔ کبھی کبھی مضبوط اور محاسن سے بھرپور غزل بھی کہتے تھے۔

نمونہ کلام

روح احسان کائنات بھی ہے
عشق خود موت بھی حیات بھی ہے
یونہی پلکوں پہ آگے آ
یہ بگڑنے کی کوئی بات بھی ہے

ناظم نگینوی

پُرانی دُنیے کے سادہ مزاج اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ علمی استعداد بلند تھی۔ مطالعہ وسیع تھا۔ فنِ شعر میں کامل مہارت حاصل تھی۔

حضرت داغ دہلوی مرحوم کو چند غزلیں اصلاح کیلئے بھیجیں۔ انہوں نے نہ صرف دادِ کلام دی۔ بلکہ بے نیاز اصلاح بتایا۔

ہندوستان کے امام المتغزلیں حضرت جگر مراد آبادی جی بھیجیں قدرت نے حقیقتِ کائنات سے بلا کاوش و تلاش آشنا کر کے اپنا مزاج پروردہ بنا دیا ہے۔ اُن کے بارے میں نہایت عمدہ رائے رکھتے تھے۔

غزل۔ اور نزاکتِ حیات سے قریب تر غزل اس دور میں جگر صاحب سے بہتر کون کہے گا۔ غزل کو فطرت کی تمام رعنائی جمال و کمال کے آدم زاد سانچے میں ڈھالا جاتا تو جگر صاحب کا پورا داخلی حُسن کلامِ روح پر اثر انداز ہوتا ہوا محسوس ہو گا۔

جگر نے ”مجاز و حقیقت“ کا درمیانی فاصلہ کامل بصیرت کے ساتھ طے کیا ہے اور اب اُن کو وہ مقام حاصل ہو چکا ہے۔ جہاں اُن کی نگاہیں مظاہرات سے گذر کر ذات و صفات کے ہر فرق کو مٹتا ہوا دیکھ رہی ہیں۔

جگر صاحب نے ناظم صاحب کا ذکر مجھ سے خود فرمایا۔ اور ناظم کے اجمالی تذکرہ پر مجھے مجبور کیا۔ اُنہیں کے نوازش سے یہ شعر ناظم آپ کی نذر رہے۔

ظرفِ لازم ہے میکش کے لئے
لپٹے اچھوں سے پی نہیں جاتی

ایک اور شعر بھی دستیاب ہوا۔ ملاحظہ فرمائیے۔
موندے کے وہ تپتے آتے نونوا ب میں
ناظم ہیں کو میند نہ آئی تمام رات

نظر علی

زکام کے اور بابِ ثروت میں خدمتِ غربا کا بلند پایہ جذبہ رکھنے والے یہ ساٹھ سالہ بزرگ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ دولت نے مزاج کو خراب نہیں کیا۔ تو فریح انکسار۔ اور ہمان نوازی لاجواب حد تک پہنچ چکی ہے۔ فنونِ لطیفہ کی توسیع و اشاعت میں فراخ حوصلگی سے حصہ لیتے ہیں۔

سیدنا ملا طاہر سیف الدین صاحب کے حلقہٴ ادارت نے زندگی میں سوز و گداز پیدا کر دیا ہے۔ کلام میں بھی یہی عنصر غالب رہتا ہے۔ بڑھاپے میں آواز بلند ہے اور لہجہ پرشکوہ۔

نمونہ کلام

ہر لفظ میں کشاکشِ بہاں لئے ہوئے
 سینہ میں اضطرابِ نمایاں لئے ہوئے
 آیا ہوں بزمِ شعر میں پڑھنے کو لئے نظر
 اپنی غزل میں سوزِ غم جاں لئے ہوئے

نیر - سید التفات حسین

مفتی عیوب حسن صاحب وحشی دیوبندی کے شاگرد رشید اور قطب عام مولانا سید حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے سید التفات حسین نیر بڑی خوبوں کے مالک ہیں۔ سادگی۔ تقدس اور نیک نفسی باپ دادا سے ترکہ میں لی گئی۔ ہزاروں چمنند تعمیر پلینے کے لئے آتے تھے۔ دن بھر مخلوق کی اس خدمت کو جی لگا کر انجام دیتے تھے۔ عفتوان شباب ہی میں رحلت فرمائی اور دیوبند میں اپنے جتد امجد کے جوار اقدس میں دفن ہوئے۔

سلسلہ میں جب عام یاس انگیز حالات رونما تھے۔ وہ لوگوں کے گھروں پر جا کر درس محبت دیتے رہے۔ سلسلہ میں انتقال ہوا۔

نمونہ کلام

اللہ اللہ ان کے پائے ناز کی یہ دلکشی
رات بھر کھپتی رہی ہر ہر قدم پر چاندنی

نازِش - محمد حسین بدایونی۔

بدایوں کی مردم خیز سرزمین نے جہاں سلطان نظام الدین اولیا محبوب الہی
جیسے آفتابِ شریعت و طریقت کو پیدا کیا۔ وہیں نازِش اور اشکِ شہد کو بھی جنم دیا۔
یہ دونوں غزل نگار اور صاحبِ رباعیات شاعر اپنے دور کے خود خالق ہیں۔
نازِش رباعیوں کے مخلص اور مالکِ طرزِ شاعر ہیں۔

نمونہ کلام

بے سرنجی۔ مے خودی کے افسانے میں

ساعز میں ہے جلوہ نور میخانے میں

عالم ہو خدانہ ہو یہ گفتارِ غلط

مے خانہ ہوساتی نہ ہو میخانے میں

تازہ محمد عادل

تعلیٰ بازار کانپور میں رہتے ہیں۔ تجارت ذریعہ معاش ہے۔ مطالعہ کتب
کاروبار کے اوقات میں بھی جاری رہتا ہے۔ پر مغز تغزل کی نعمت سے بہرہ اُخذ
ہیں۔ مشاعروں میں شرکت حرام کے درجہ تک سمجھتے ہیں۔ سراپا محبت ہی محبت ہیں۔
شباب معصوم اور نظر محتاط ہے۔

نمونہ کلام

نقابِ رخ سے اٹھانا اگر پسند نہیں
اس نگاہِ تمنا سے روشنی لے لو
تمہارا حسن نہ سمجھے جسے سارے کرم
مجھے عزیز نہیں ہے وہ زندگی لے لو

نور میرٹھی - محرقی

میتن طرہ بیان - اسلوب کلام حسین و دل چسپ - میرٹھی میں اُن کا ادبی حلقہ خدمتِ وطن اور حفاظتِ اُردو کے لئے قابلِ تحسین ہے - اس دور میں اچھا شاعر ہونے کے باوجود نورؔ خود ستائی کے مرض سے محفوظ ہیں - انجمن ترقی اُردو سے قلبی لگاؤ ہے - ہندی کے پریمی انہیں اپنا مخلص رفیق سمجھتے ہیں - دونوں زبانوں پر یکساں قدرت ہے

نمونہ کلام

پھر نہ کانوں نے سنا وہ نغمہ سازا بل
 آجتک جس کیلئے دل گوش برآواز ہے
 بارہ پلکوں تک آئے اشکِ خفا لے دل
 نورؔ را در عشق لیکن تا عددِ راز ہے

میر۔ آثارِ رام

مولانا ضلع میرٹھ موردِ مسکن ہے۔ مدتوں دہلی میں مولانا راسخ مرحوم سے عربی اور فارسی کا درس لیا۔ سنسکرت بزرگوں سے ترکہ میں ملی۔ مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ مومن کے طنز پر جان دینے کو تیار تھے۔ اسی طبیعت محبت نے کبھی مرزا غالب کو شہرا کہنے کی اجازت نہیں دی۔ نظیری کی اکثر غزلیں زبانی یاد تھیں۔ آواز کا پر سوز ترنم مجسم نظیری کی غزل بن جاتا تھا۔ محافل شعر و سخن میں نہ جانے کے برابر شریک ہوتے تھے۔ معاصرین کے اصرار پر کبھی کبھی کچھ سنا دیا کرتے تھے۔

نمونہ کلام

رام کے سینے کی دھڑکن بارہا میں نے سنی
 جا کے سر جو کے کنارے چھیر کر غم کا ربا
 تو نظیری کی نبی گہوارہ فسر غزل
 خاک نیشا پور اس دنیا میں تیرا کیا جواب

مرسدن پہ ملائکت شام ہوتے ہیں
 یہاں دلیل نشاط بہار ہوتے ہیں

یہ رشکِ خلد یہ ریحِ جناب یہ فخرِ بہشت
 مری بگاہ سے پوچھو کہ جن کھیلے غنچے

وکیل بھوپالی

قلب و منظر دونوں بیدار ہیں۔ پچاس سال کے قریب عمر ہوگی۔ غلوں و ایشیا
 سے محبت کرتے ہیں۔ بے ضرورت باتوں سے گریزاں رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔
 کلام میں بے نیگی ہے۔ جذبات میں جدت۔ خیالات سو تیار نہ لب و لہجہ سے
 کبھی آشنا نہیں ہوتے۔ فن پر متبرانہ نگاہ ہے۔ دل کا آئینہ گردِ کدورت سے صاف
 ہے۔ گفتگو کا مٹھاس سننے والوں کے کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔
 انجن ترقی اُردو کے خاموش مگر سرگرم دلدادہ ہیں۔

نمونہ کلام

میرے اشعار نے بدلے زمانے کا مزاج
 میرا ہر لفظ محبت کا امین ہوتا ہے

جس جگہ روح کو ملتا ہے سکون جاوید
 میرے احساس بُک بارو ہیں ہوتا ہے

وحشی - جیبِ سخن

۱۹۵۷ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ علومِ شرقیہ کی دہلی تکیہ کی۔ اپنے زمانے میں فلسفہ شعر و ادب کے امام مانے جاتے تھے۔ نواب مرزا خاں داغ کو بھی بعض غزلوں پر اصلاح دی۔ ۱۹۵۷ء کے ہنگامے میں جوان تھے اور رڑ کی ضلع بہار پور سے ماہنامہ "پیامِ یار" نکالتے تھے۔ بڑے بڑے فنی معرکے جیتے۔ ظہیر دہلوی سے لفظی تحقیق میں اختلاف ہوا تو کئی سال تک اس موضوع پر گرائڈر معلومات فراہم کیں۔ ہجوم نظموں میں متقدمین سے دوڑتے آگے نکل جاتے تھے۔ انتہائی مبالغہ کے معاملہ میں ان کا یہ شعر بے نظیر مانا گیا۔

رونے پہ چشمِ ترمی باندھے اگر کمر
کیسی زمیں فلک پہ ہو پانی کمر کمر
مولانا امیر مینائی کا دیوان چھپا۔ انہوں نے جو تاریخ لکھی اپنی
شال آپ ہے۔

یہ آنے لگی چار سو سے صدا
چھپا ہے کلامِ جنابِ امیر
اندازِ کلام میں سادگی کے ساتھ لطفِ زبان اور مضامین کا تنوع پایا جاتا ہے
۱۹۷۸ء دیوان ترتیب دیئے۔ لیکن کسی پرانے رسالے میں چھپی ہوئی ایک دو غزل
کے سوا ان کے اشعار دستیاب نہیں ہوتے۔ شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی مرحوم
انہیں کے رشید ترین شاگرد تھے۔

نمونہ کلام

تیری لکنت پہ فدا سوجان سے دل ہو گیا
تو نے ادھی بات کی میں نیم سہل ہو گیا

دن چھپے آئی تھی دن نکلے گئی آئے نہ تم
اب اٹھا کر لے گئی ہے اپنا بستر چاندنی

وجدی الحسینی

سید عابد علی نام۔ بھوپال مسکن۔ ۱۰ اگست ۱۹۱۸ء کو عالم وجود میں آئے۔ جوئی فارسی کی ابتدائی کتابیں بھوپال میں ہی پڑھیں۔ دیوبند سے دورہ حدیث کے فاضل ہوئے۔ شعر گوئی عادت میں داخل ہے۔ مولانا سیلاب اکبر آبادی مرحوم کے محبوب شاگرد ہیں۔

۱۹۳۵ء میں سب سے پہلے جو غزل کہی اسی سے مستقبل کا اندازہ لگائیے۔

نمونہ کلام

کیا نظارہ۔ کسکو شوق، اپنی نظر ہی جب نہیں
 حُسن کی دید کے لئے دیدہ مستعار کیا
 - لہنی غم بجا مگر یہ بھی تو ہے عطا ئے دوست
 پھر یہ طالِ سوز و غم مچھو ہونا گوار کیا

وہل شہید انبالوی۔

انبالہ چھاؤنی میں ڈاکٹر نجفی - ادب - شعر و سخن اور موسیقی کے ماہر مانے جاتے تھے
 دماغ میں مرض شناسی کا بوہر لاکن تعریف تھا۔ دانشور مرحوم ان کے کیونڈر تھے مختلف
 رنگوں کے امتزاج سے ایک نیارا رنگ تخلیق کرنے میں کمان حاصل تھا۔ نغمگی کے ذوقِ لطیف
 نے شاعر بنایا اپنے اشعار میں نغمگی اور فن کا کامل لحاظ ہوتا تھا۔ خود گنگنا کر مزا
 لیا کرتے تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات میں شہید ہوئے۔

نمونہ کلام

ناز کرتا ہوں اپنی خوبی آواز پر
 سرگموں کی دھن بلا کر شعر کہنا آگیا
 صانع قدرت نے حسن نغمگی بخشا مجھے
 سازِ ہستی نے سردیہ زندگی بخشا مجھے

نصیر - نصیر احمد خاں -

پیدائش یکم فروری ۱۹۳۳ء۔ ابتدائی تعلیم چار سال کی عمر میں اپنے دادا محترم شمس موسیقی استاد من خان صاحب سے پائی اور گیارہ سال کی عمر تک کہ نہیں کے زیر تعلیم رہے۔ پھر یکے بعد دیگرے استاد من خان صاحب استاد سگڑا خان صاحب۔ استاد کالے خاں صاحب استاد بندو خاں صاحب اور استاد رمضان خان صاحب اور اپنے والد استاد عثمان خان صاحب سے تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۳ء سے ابھی تک استاد چاند خاں صاحب کے زیر تعلیم تھے پندرہ برس میں موسیقی کا مظاہرہ عملی طور سے کیا۔ اور اب تک ہندوستان کی بڑی بڑی کانفرنسوں میں شرکت کی اور بہت سے گولڈ میڈل حاصل کئے۔ ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی کئی جگہ اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ موسیقی کے علاوہ آپ کو ادب سے بھی بہت دلچسپی ہے۔ ہزاروں شعر اور ہزاروں لطیفے آپ کو زبانی یاد ہیں۔ شروع میں خود بھی کچھ کہنا شروع کیا تھا۔ مگر اپنے والد صاحب کے منع کرنے سے اس شوق کو ترک کر دیا۔ ان کے جو چند شعر یاد ہیں وہ لکھا ہوا کیونکہ آدمی ایک ہی فن میں اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کرے اور اب اسی فن کار کی زندگی پر ایک مستند کتاب بھی لکھی جانے والی ہے

نمونہ کلام

کس قدر اداس تھے لمے	متم نہ آتے تو جانے کیا ہوتا
رنگِ غصہ میں حسدوں کے نکھر جاتے ہیں	یہ نئی خوبی ہے بگڑیں تو سنو جاتے ہیں
شب کو گئے نہ آپ تھے چھپ کے حد کے گھر	کیسی کہی پتہ کی کہو تو ریل کے ہساتھ

عاقل دہلوی

سید محمد عاقل نام اور عاقل ہی تخلص بھی ہے تعلیم ایم اے، ایل ایل بی، آج کل دھبیہ پردیش میں محکمہ ٹریڈ میں۔ علوم مغربی کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم سے بھی آشنا ہیں وسیع مطالعہ، وسیع انظری اور وسیع العقلمی خصوصیات میں سے ہے۔ شعر کم کہتے ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں خوب سوج سمجھ کر کہتے ہیں۔ دہلی کے معزز ترین خاندان کے فرد ہیں، حافظ سید محمد عبدالصمد حلوی دہلوی کے پوتے اور سید محمود حیدر خاکی دہلوی کے نوری نظری ہیں۔ عالی صاحب بھی بہت اچھے شاعر ہیں مگر ان کی شاعری گردشِ زمانہ کا شکار ہو کر رہ گئی ہے، ایک شعر عالی ملاحظہ فرمائیے۔

ایسی کچھ ملتی گئی لذتِ معبودِ عشق میں
کہ جبینِ شوقِ صبر آستانِ ہوتی گئی

عاقل دہلوی نہ صرف بااخلاق افسر بلکہ ایک اچھے دوست بھی ہیں اور بے انتہا تیزی سے دوست بنانے میں ماہر بھی۔ اسی لئے حلقہٴ احباب بہت وسیع ہے۔ وہ مجھے صرف اس لئے عزیز نہیں کہ وہ عزیز ہی انور کمال حسینی کے کزن ہیں بلکہ انہیں بہت پہلے سے جانتا ہوں اور ان کی صلاحیتوں کا معترف بھی ہوں!

نمونہٴ کلام

چمنِ دالو سے پوچھو فصلِ گل میں ان پہ کیا گندی
زمین کی گردشِ بہیم جنہیں ہے ناگوار اب بھی

راہی - (مختار الرحمن)

جے پور میں سرکاری ملازم ہیں، تعلیم بی اے، ایل ایل بی ہے، اس کے باوجود
وکالت نہیں کرتے۔ اسی زمانے میں جلی تحسین اخلاق ہیں، اُن کے والد میر حسین علی بھی شمالی
کردار کے مالک ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ افسانہ نگار کی حیثیت سے بہت
مشہور و معروف ہیں اور اردو ہندی کے ممتاز افسانہ نگاروں میں اُن کا شمار ہوتا ہے لیکن بہت
کم لوگ جانتے ہیں یہ شاعر بھی ہیں، ایک اچھے شاعر۔ خلیق، ملنسار اور دوست نواز ہیں، اُو
اپنی شیریں گفتار سے دوسروں کے دل میں بھی اپنا گھر بنا لیتے ہیں، ایک بار ملاقات کرنے
کے بعد دوبارہ ملنے کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔

مکوڑہ کلام

اُن کے دل میں تو میں ایک خاص جگہ رکھتا ہوں ✓
اُن کے لب پر جو مرا نام نہیں ہے نہ سہی

سحر ہو چلی ہے تم آؤ گے کب تک
میں بیٹھا ہوں بزم تصور سجائے

زلف گیتی کو سنوارا تھا ہمیں نے لیکن ✓
ہس کے سائے میں بھی آرام نہیں ہے نہ سہی

سلطان احمد نسیم - بھوپالی

قصبہ گویا متو ضلع ہر دوئی - یو پنی - اجداد کا وطن تھا۔ دادا صاحب
 ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی سے متاثر ہو کر ریشی ایو علی صاحب (دادا)
 کانپور میں کوتوال تھے، انگریزوں کی حفاظت میں ناکام رہے اور
 روپوشی اختیار کر کے بھوپال پہنچے۔ جب سے یہ خاندان بھوپال میں
 مقیم ہے نسیم ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے بھوپال میں عربی میں فاضل
 درس نظامی کی تکمیل کی۔ الہ آباد سے "عالم" عربی کا امتحان پاس کیا۔
 فارسی کی استعداد بہم پہنچائی۔ شاعری کا ذوق ۱۳ سال کی عمر سے شروع
 ہوا، سیفیہ کالج بھوپال میں عربی ٹیچر ہیں ذی رک عالم شگفتہ مزاج
 شاعر اور نچتہ نگار صاحب فن ہیں۔ زندگی کا سوز آواز کا ہم آہنگ
 ہو کر مشاعرے پر چھا جاتا ہے

نمونہ کلام

جانتا ہوں میں مزاج انقلاباتِ چین

آشیانہ برق کی زد پر بنا سکتا ہوں میں

میں تو آیا ہوں نیا ذوق نظارہ لیکر، تیرے جلوؤں کے بھی انداز نہیں کہ نہیں
 چاکِ طمان چاکِ بھلا کا پانہ گناہوں کی گتوں میں کچھ انداز ہے کہ نہیں



اور مابری